فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات
	پیشِ لفظ
01	پہلا باب: مذاہب کا تعارف
01	1۔ انسانیت کی تعمیر
06	2۔ اخلاقی کہانیاں (1)
11	3۔ اخلاقی کہانیاں (2)
16	4۔ نظمیں
19	5۔ علم و حکمت کے موتی
21	دوسرا باب: سکھ مذہب
21	6۔ سکھ مذہب کا تعارف
24	7۔ سکھ مذہب کیسے پھیلا
28	8۔ بابا گرونانک دیو جی اور اُن کی تعلیمات
32	9۔ سکھ مذہب کے گُرو
39	تیسرا باب: پاکستان میں مذہبی تہوار
39	10۔ کرسمس (عیدِ ولادت المسیح)
40	11۔ عید الفطر

12۔ باباگرونانک دیوجی کا جنم دن	42
چوتھا باب: اخلاقی اقدار	**45**
13۔ بچہ۔۔۔ خاندان کی آنکھوں کا تارا	45
14۔ گھر کی سانجھ	49
15۔ برابری	52
16۔ احترامِ آدمیت	55
17۔ قاعدے قانون کی بات	58
18۔ ٹریفک قوانین	65
پانچواں باب: آداب	**71**
19۔ کھانے پینے کے آداب	71
چھٹا باب: مشاہیر	**75**
20۔ حضرت مریم علیہا السلام	75
21۔ اشوک	76
22۔ مقدس تھامس اکوائینس (St. Thomas Aqunienus)	78
فرہنگ	82

پیش لفظ

ایک زمانہ تھا کہ انسان غاروں میں رہتے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ دنیا کی آبادی بڑھی تو انسان اپنی فطرت کے مطابق مل جل کر رہنے لگے۔ اس سے انہیں زندگی زیادہ خوش گوار محسوس ہوئی۔ وہ اسے مزید بہتر بنانے کے لیے کوشش کرنے لگے۔ ایسے اصول وضوابط بنانے کی کوشش کی جانے لگی جن پر عمل کر کے زندگی اور زیادہ پُر سکون ہو جائے لیکن یہ کام اتنا آسان نہ تھا۔ ترقی کی خواہش کی طرح اختلافات بھی انسانی فطرت کا حصہ ہیں۔ انسان سوچ، صلاحیت اور عمل کی قوت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس لیے جب کچھ اصول اور ضابطے طے پا جاتے تو کچھ عرصے بعد ان پر اعتراضات شروع ہو جاتے۔ آخرُ اسے تسلیم کرنا پڑا کہ کامیاب زندگی کے لیے وہی قانون اور ضابطے درست ہیں جو کائنات کے بنانے والے نے اپنے نیک بندوں کے ذریعے انسان کو سمجھائے ہیں اور اس خالق و مالک کو اللہ، رام، رحیم، واھیگرو یا یزدان کہتے ہیں۔ تاریخ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ انسانی زندگی کے مختلف ادوار میں انسان صرف اسی دور میں پُر سکون رہا ہے جب وہ اس برتر ہستی کی ہدایات پر کار بند رہا ہے۔

مذاہب اخلاقیات کے ماخذ بھی ہیں اور انہیں پروان بھی چڑھاتے ہیں۔ ہم روز مرّہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ دیانت داری، صداقت، ہمدردی، دریا دلی اور جذبہ خدمتِ خلق جیسی اقدار مذاہب ہی کی عطا ہیں۔ اگرچہ مذاہب مختلف ہیں لیکن یہ اخلاقی اقدار ایک جیسی ہیں۔ عملی زندگی میں آپ نے بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھا ہوگا جن کا تعلق مختلف مذاہب سے ہوتا ہے لیکن وہ سب بنیادی اخلاقی اقدار پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ دیانت داری، سچائی، درد دل رکھنا اور دوسروں کا بھلا سوچنا ان کا وتیرہ ہوتا ہے۔ مذہب کی ہدایات پر صدقِ دل سے یقین رکھنے اور عمل کرنے والے ہمیشہ دوسروں کے دکھ سکھ میں شریک رہتے ہیں۔ اور کسی قدرتی آفت کے موقع پر مذہب اور ملت کی تفریق کے بغیر خدمتِ خلق میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ وہ کبھی دوسروں کا دل نہیں دکھاتے بلکہ ہمدردی سے پیش آتے ہیں۔ وہ صرف جھوٹ اور ظلم سے نفرت کرتے ہیں۔

مذاہب کی عطا کردہ اخلاقی اقدار تہذیبوں کو پروان چڑھاتی اور زندگی کے سلیقے سکھاتی ہیں۔ جب انسان غاروں میں رہتا تھا تو اس کا نظامِ زندگی اور رہن سہن اور تھا۔ پھر وہ قبیلوں میں بٹ کر رہنے لگا اب اسکی زندگی کا چلن پہلے سے مختلف ہو گیا۔ اس دور میں نسلی تعصبات زیادہ اور قوتِ برداشت کم تھی۔ پھر مذاہب کی اقدار کی روشنی میں زندگی کا نیا سفر شروع ہوا تو ہمدردی، انسان دوستی، نیک گمان، برداشت اور رواداری نے جنم لیا۔ مختلف ادوار میں کئی ایک مذاہب پھلے پھولے مگر ان مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا ہوئی اور انسان پُر امن بقائے باہمی کے جذبے سے سرشار زندگی بسر کرتا رہا۔

پاکستان مسلم اکثریت کا ملک ہے لیکن اس میں مسیحی، ہندو، سکھ، بدھ، پارسی اور دیگر غیر مسلم اقلیتیں بھی موجود ہیں۔ یہاں ہندوؤں اور سکھوں کے مقدس مقامات بھی موجود ہیں اور ہر سال ہزاروں زائرین بیرونِ ملک سے ان مقدس مقامات کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ یہاں تمام مذاہب کے لوگوں میں باہمی اتحاد اور یگانگت پائی جاتی ہے اور کسی بھی ملک کی ترقی اور خوش حالی میں

یہ اتحاد، رواداری اور یگانگت بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے 1973ء کے آئین میں اقلیتوں کے حقوق کا تعین کر دیا گیا ہے اور ان کو مذہبی آزادی اور بنیادی حقوق کی ضمانت دی گئی ہے۔ دراصل بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کو پوری طرح احساس تھا کہ ہر انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مذہبی فرائض آزادی سے ادا کر سکے۔ چنانچہ اُنہوں نے تشکیلِ پاکستان کے دوران خصوصاً جولائی اور اگست 1947ء میں اپنی تقاریر میں بار بار اس بات کا ذکر کیا کہ پاکستان میں اقلیتوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذاہب، عقائد، جان و مال اور ثقافت کا تحفظ کیا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی بقاء، ترقی اور خوش حالی کے لیے ضروری ہے کہ تمام مذاہب کے ماننے والوں میں ہم آہنگی ہو، وہ رواداری سے کام لیں اور ان کے آپس کے تعلقات خوش گوار رہیں۔

اخلاقیات کی اس کتاب میں تعلیمی مقاصد کے مطابق ایسا مواد شامل کیا گیا ہے جسے پڑھ کر طلبہ معاشرے میں مفید اور مثبت کردار ادا کر سکیں گے وہ مذاہب کی بنیادی تعلیمات اور سماجی زندگی کی قدر و قیمت سے آگاہ ہو سکیں گے۔ وہ مشاہیر کی زندگی کو عملی نمونہ سمجھ کر اپنے آپ کو بدل سکیں گے۔ اس طرح وہ معاشرے میں مثبت کردار ادا کر سکیں گے۔ اُمید ہے کہ طلبہ اس کتاب کو اچھا دوست پائیں گے۔ اس کتاب کا مطالعہ طلبہ کے دلوں میں دوسرں کے احترام کا جذبہ، بلند اخلاق اور رواداری جیسی اچھی عادات کی تشکیل کرے گا اور اسی سے ان کے کردار کی تعمیر ہوگی۔

ہم نے مقاصدِ تعلیم، اخلاقی تعلیمات کے خصوصی مقاصد اور طلبہ کی ذہنی سطح کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حکومتِ پاکستان کے مہیا کردہ نصاب کے مطابق یہ کتاب ترتیب دی ہے۔ اور مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے ارکان پر مشتمل جائزہ کمیٹی نے نہایت باریک بینی سے اس کا جائزہ لیا ہے اور اسے نصاب کے عین مطابق قرار دیا۔ امید ہے اساتذہ اور طلبہ اسے مفید پائیں گے۔ دوسری اشاعت سے پہلے اساتذہ کرام اور اخلاقیات سے دلچسپی رکھنے والے افراد کی مثبت تجاویز کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

مصنفین

باب 1

مذاہب کا تعارف

انسانیت کی تعمیر

مائیکل اور انجلا رات خوش خوش سوئے کہ صبح انھیں سکول بس سے سیر و تفریح کے لیے چھانگا مانگا جانا تھا۔ صبح سویرے نہادھو کر کپڑے بدلے، ناشتا کیا اور ہنستے کھیلتے سکول چلے گئے، مگر دس بجے منہ لٹکائے واپس آ گئے۔ مس نورین اس پروگرام کی ذمہ دار تھیں اور ان کی والدہ کی وفات کی وجہ سے یہ پروگرام منسوخ ہو گیا تھا۔

بچوں کے دادا پروفیسر جان جوزف صحن میں بیٹھے تھے۔ عام طور پر بچے شام کو اپنے دادا سے باتیں کیا کرتے تھے۔ آج جب شام تک بچے اپنے اپنے کمروں سے باہر نہ آئے، تو انھیں فکر ہوئی اور انھوں نے ریناسے کہ کر بچوں کو اپنے پاس بلوایا اور ان سے باہر نہ آنے کی وجہ پوچھی۔ مائیکل کہنے لگا:

دادا جان یہ کیا ہوتا ہے کہ کبھی کبھار ہم کوئی پروگرام بناتے ہیں۔ ہر کام اپنی جگہ درست ہو رہا ہوتا ہے کہ اچانک معاملہ ہماری خواہش کے الٹ ہو جاتا ہے اور وہ سب کچھ دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے۔ آج ہمارا سیر و تفریح کا پروگرام خراب ہوا۔ پہلے بھی ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ہم نے گرمیوں کی چھٹیوں میں کاغان جانا تھا لیکن تیز بارشوں کی وجہ سے وہاں جانا ممکن نہ رہا۔

انجلا کو بھی کچھ یاد آ گیا اور کہنے لگی کہ کبھی اس کے الٹ بھی ہوتا ہے اور ہم حیران رہ جاتے ہیں۔ جیسے گذشتہ سال باجی کا وظیفہ ایک نمبر سے رہ گیا تو اس کے آنسو چھلک پڑے، مگر ایک ہفتے کے بعد اس کے وظیفے کے احکام جاری ہو گئے، کیوں کہ ایک نمبر زیادہ والی طالبہ ملک سے باہر چلی گئی تھی۔ بھلا ایسا کون کرتا ہے؟

پروفیسر جان جوزف یونیورسٹی میں سماجی علوم کے پروفیسر رہے ہیں اور انھیں مذاہب کی تاریخ سے بھی دلچسپی رہی ہے۔ وہ ذرا مسکرائے اور جواب دیا: کائنات کا جو نظام چل رہا ہے، وہ انسان نہیں چلا رہا بلکہ ایک برتر ہستی ہے، جو یہ سب کچھ کرتی ہے۔ سورج کا نکلنا، چاند اور ستاروں کی گردش، موسموں کا بدلنا وغیرہ، بہت سے معاملات انسان کے بس سے باہر ہیں۔

مائیکل نے ایک اور دلچسپ بات کی طرف توجہ دلائی کہ آج ہم سکول سے لوٹے تو تنہا رہنے کا تجربہ کیا ہمیں چند گھنٹوں کا تنہا رہنا بھی مشکل محسوس ہوا۔ اگر آپ نہ بلواتے، تو بھی ہم آپ کے پاس آنے والے ہی تھے۔ ہم تنہائی میں بہت گھبرا گئے تھے۔

پروفیسر صاحب مسکرائے اور کہنے لگے: انسان فطری طور پر مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے۔ وہ دوسروں کے دکھ درد اور خوشیوں میں شریک ہو کر خوش ہوتا ہے۔ پیدا کرنے والے نے مل جل کر رہنے کا جذبہ اس کی فطرت کا حصہ بنا دیا ہے۔

''مگر جب انسان غاروں میں رہتا تھا اور ابھی معاشرہ وجود میں نہیں آیا تھا تو انسان کیسے زندگی بسر کرتا تھا؟'' انجلا نے

سوال کیا۔

پروفیسر صاحب ذرا سی دیر کے لیے خاموش رہے، جیسے خیالات کو ترتیب دے رہے ہوں پھر کہنے لگے:

جب دنیا میں افراد کی تعداد کم تھی اور انسان غاروں میں رہتا تھا، تو اسے بڑی مشکلات کا سامنا تھا۔ پھر لوگوں نے مل کر قبیلے بنالیے۔ آبادی بڑھی تو مسائل پر غور کیا جانے لگا۔ اُس وقت تک انسان کائنات کے بہت سے رازوں سے واقف نہیں تھا۔ بلکہ وہ ان سے مرعوب تھا۔ کبھی وہ سورج کی پوجا کرتا، کبھی آگ کی، کبھی دھرتی کی اور کبھی آباؤ اجداد کی۔ جس سے مرعوب ہوتا، اسی کی پوجا کرنے لگتا۔ گویا مذہب کے تصورات اس کے ذہن میں ہر دور میں موجود رہے۔

انجلا نہایت ذہین ہے اور بال کی کھال اتارنا اس کی عادت ہے۔ اب وہ بولی تو اس طرح کہ:

دادا جان! مل جل کر رہنے میں سہولت تو ہے مگر ہر ایک آدمی کے اپنے اپنے خیالات اور ہر ایک کا اپنا مفاد ہوتا ہے۔ بہت سے انسان مل کر رہتے ہیں مگر کس طرح؟

پروفیسر جان جوزف نے انجلا کے سوال کی داد دی اور کہنے لگے: دراصل بہت سے لوگ مل کر رہیں تو قوانین اور ضابطوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے قوانین اور ضابطے جو سب کے لیے مفید ہوں اور سب ان کی پابندی کریں۔ معاشرہ وجود میں آیا تو ضابطے، اصول اور قوانین بھی بنائے گئے۔ جب تک لوگ ان ضابطوں پر عمل کرتے ہیں امن وسکون رہتا ہے اور جب انھیں توڑ دیتے ہیں تو وہ گھاٹے میں رہتے ہیں۔ امن خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اور دنیا دکھوں کا گھر بن جاتی ہے۔ ذرا سوچیں ہم سڑک پر قوانین کی پابندی نہ کریں تو چند منٹوں میں کیا کچھ نہ ہو جائے۔

مائیکل نے پوچھا ''یہ زندگی بسر کرنے کے اصول اور ضابطے کون بناتا تھا؟''

''انسان اور کون؟'' انجلا دادا جان سے پہلے بول اٹھی۔

پروفیسر صاحب انجلا کے جواب پر مسکرائے اور بچوں کو بتایا: بے شک انسان اپنی عقل سے قوانین بناتا رہا، مگر ایک انسان نے قانون بنایا، تو اس سے ذہین دوسرے انسان نے اس کا توڑ سوچ لیا۔ کیونکہ عقل کی بھی ایک حد ہے۔ انسان حواسِ خمسہ (انسان کے اندر پانچ ایسی قوتیں ہیں جن سے علم حاصل ہوتا ہے یعنی سننے، دیکھنے، چکھنے، چھونے اور سونگھنے کی حسیں) کو رہنما بنالیتا ہے تو بھی مسئلہ اپنی جگہ پر رہتا ہے۔ آپ سوچیں زمین آسمان افق پر ملے ہوئے نظر آتے ہیں، مگر ایسا نہیں ہے۔ ہم گلاب کے پھول کی خوشبو اور مصنوعی خوشبو میں فرق نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی اچھا نقال جانور کی آواز نکالے جب کہ وہ ہمارے سامنے نہ ہو ہم آواز سن کر سمجھتے ہیں کہ کوئی جانور بول رہا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہمارے حواسِ خمسہ مکمل طور پر ہماری رہنمائی نہیں کرتے۔

مائیکل اور انجلا دادا جان کی باتیں غور سے سن رہے تھے اور حیران ہو رہے تھے۔ اب دونوں نے آپس میں سرگوشی کی اور

مائیکل نے دادا جان سے پوچھا:

''انسان نے امن وسکون سے رہنا کیسے سیکھا؟ اور مل جل کر رہنے کے قوانین کیسے بنے؟''

پروفیسر صاحب کہنے لگے:

وہ برتر قوت جس نے کائنات اور انسان کو پیدا کیا۔ جسے اللہ کہتے ہیں اُسے تمام مذاہب میں تسلیم کیا گیا ہے۔ وہ کہیں رحیم ہے اور کہیں رام، کہیں خدا، کہیں واہگرو اور کہیں یزداں اور کہیں کسی اور نام سے پکارا جاتا ہے۔ دراصل اسی برتر قوت نے انسان کو زندگی گزارنے کے گُر بتائے۔ اپنے نیک بندوں کے عملی نمونوں اور اپنی مقدس کتابوں کے ذریعے۔ انسان اُسی کے بنائے ہوئے قوانین کی روشنی میں آگے بڑھ سکتا ہے۔ اُسی کے بنائے ہوئے قوانین افراد کو آپس میں جوڑے رکھتے ہیں اور انھی سے امن کی ضمانت ملتی ہے۔

''دادا جان کیا سارے مذاہب انسان کو امن، سکون اور مساوات کا درس دیتے ہیں؟'' مائیکل نے پھر پوچھا۔

بالکل تمام مذاہب انسان کو امن وسکون سے زندگی گزارنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ تمام بڑے مذاہب میں آخرت کا تصور موجود ہے اور آخرت میں جواب دہی کا احساس ہی انسان کو جھوٹ، فریب، بددیانتی اور دوسروں کو نقصان پہنچانے سے باز رکھتا ہے۔ ورنہ ہر شخص کے ساتھ تو نگران کھڑا نہیں کیا جاسکتا اور اگر ایسا کیا جائے تو بھی کیا ضمانت دی جاسکتی ہے کہ دوسروں کے حقوق محفوظ رہیں گے۔

دراصل مذاہب نے ہر دور میں آدمیت کا احترام سکھایا۔ انسانوں کی تفریق کی بجائے مساوات اور بھائی چارے کا درس دیا۔ رواداری، توازن اور اتحاد واتفاق پر زور دیا ہے۔ تمام مذاہب کی کتابوں میں ایک خدا کی وحدانیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

بچوں نے کچھ اور پوچھنا چاہا مگر دادا جان کہتے گئے۔

مذاہب انسانیت کی تعمیر کرتے ہیں اور اچھے اخلاق پر زور دیتے ہیں۔ یہ انسان کی زندگی میں توازن اور میانہ روی پیدا کرتے ہیں۔ لالچ اور مفاد پرستی سے باز رہنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ یہ آپس میں نفرت اور دشمنی رکھنے سے منع کرتے اور محبت کا درس دیتے ہیں۔

مائیکل کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ دادا جان کی گفتگو ختم ہو وہ بیچ ہی میں بول پڑا۔

دادا جان! مذہب کو ماننے والے کروڑوں انسان موجود ہیں مگر دنیا امن کا گہوارہ نہیں ہے۔ ایک فرد دوسرے فرد اور ایک قوم دوسری قوم کے خلاف ہے اور ایک دوسرے کا حق مارا جا رہا ہے۔

پروفیسر صاحب نے مائیکل کے سوال کی داد دی اور کہنے لگے:

بیٹا! بات قول کی نہیں فعل کی ہے۔ جب بھی کوئی شخص مذہب پر عمل کرنا چھوڑ دیتا ہے تو وہ دوسروں کے حق سے

غافل ہوجاتا ہے۔ وہ اپنے بنائے ہوئے قانون کی اور نہ خدائی قانون ہی کی پابندی کرتا ہے۔ اس لیے دُنیا بھر میں امن، بھائی چارے اور انسانیت سے محبت کے جذبے کمزور ہوجاتے ہیں، بے شک مذہب کی رُو سے ہی انسانیت کی تعمیر ہوتی ہے۔

جب سے انسان نے عمل چھوڑ دیا ہے وہ دوسروں کے حقوق سے بے پرواہ ہوگیا ہے۔ نفرتیں ابھر آئی ہیں۔ اب تو انسان خدا کے قانون کو نظر انداز کرنے لگا ہے اور اپنے بنائے ہوئے قوانین کا بھی پابند نہیں رہا۔ اس لیے دنیا بھر میں امن، بھائی چارے اور انسانیت سے محبت کے رشتے کمزور ہو گئے ہیں۔ البتہ مذاہب تو انسانیت کی تعمیر کرتے ہیں۔

مائیکل اور اینجلابات کی تہ تک پہنچ چکے تھے۔ انھوں نے دادا جان کا شکریہ ادا کیا اور خوش خوش اپنے کمروں میں چلے گئے، آج انھیں معلوم ہُوا کہ مذاہب امن وسلامتی کی ضمانت دیتے ہیں۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ قوانین بنانے میں عقل اور حواسِ خمسہ کا کیا کردار ہے؟

2۔ مذہب انسانوں کی کیسے مدد کرتا ہے؟

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ مائیکل اور انجیلا کیوں اُداس تھے؟

2۔ مائیکل کمرے میں بند ہوکر کیوں پریشان ہوا؟

3۔ بعض اوقات تدبیریں ناکام کیوں ہوجاتی ہیں؟

4۔ کیسے قوانین پر عمل آسان ہوتا ہے؟

5۔ مذاہب انسانیت کی کیا خدمت کرتے ہیں؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ اُصول وقوانین پر عمل کرنے سے

(ا) امن وسکون حاصل ہوتا ہے (ب) معاشرت پروان چڑھتی ہے

(ج) انسانیت کی تعمیر ہوتی ہے (د) ا ب، ج تینوں

2۔ عمل ترک کرنے سے .... بڑھ جاتی ہے۔

(ا) لاقانونیت (ب) حق تلفی

(ج) بدامنی (د) ا،ب،ج

3۔ انسان کو زندگی بسر کرنے کے لیے کسی برتر ہستی کے بنائے ہوئے قوانین کی ضرورت ہے کیونکہ

(ا) انسان کے بنائے ہوئے قوانین کا توڑ ممکن ہے۔ (ب) حواسِ خمسہ کامل رہنمائی نہیں کرتے

(ج) انسان صرف اپنے مفاد کے لیے قوانین بناتا ہے (د) خالق ہی مخلوق کی بہتری بہتر جانتا ہے

4۔ مذہبی تعلیمات جاننے کے باوجود امن کا نہ ہونا اور دوسروں کی حق تلفی .... سے ہے۔

(ا) انسانی نفرتیں (ب) خودغرضی

(ج) آسودگی اور لذّت کی خواہش (د) مذہبی تعلیمات سے بے گانگی اور بے عملی

(د) صحیح جملے کے سامنے (ص) اور غلط کے سامنے (غ) لکھیں۔

1۔ مس نورین کے والد کے انتقال کی وجہ سے سیر و تفریح کا پروگرام ملتوی ہوگیا

2۔ جان جوزف سماجی علوم کے پروفیسر ہیں۔

3۔ جب دنیا میں انسانوں کی تعداد کم تھی تو مشکلات بھی کم تھیں۔

4۔ انسان کے بنائے ہوئے قانون کو دوسرا انسان ہمیشہ تحفظ دیتا ہے۔

5۔ ہر مذہب امن اور سلامتی کے قیام میں مدد کرتا ہے۔

(ہ) سرگرمیاں

1۔ اپنی جماعت کے تین گروہ بنائیں اور تمام گروہ سبق میں مذہب کے بارے میں بتائے گئے نکات پر مکالمہ کریں۔

2۔ تینوں گروہ مشترک باتیں جمع کریں اور مذہب کی افادیت کے ان اہم نکات کا چارٹ بنا کر کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات

1۔ مذاہب امن، بھائی چارے اور رواداری کے بارے میں جو کچھ بتاتے ہیں، مختلف مذاہب کی مقدس کتب اور ان مذاہب کے بانیوں کے اقوال بتا کر بچوں کی معلومات میں اضافہ کریں۔

❁❁❁

اخلاقی کہانیاں (1)

الف۔ اُدھوری خواہش

پانڈوں میں راجا جیاتی بہت مشہور گزرا ہے۔ وہ اپنے باپ کا سب سے طاقت ور اور بہادر بیٹا تھا۔ اپنے زمانے میں اس نے یکے بعد دیگرے کئی علاقے فتح کیے اور اچاریہ کی بیٹی دیویانی سے شادی کی۔ جیاتی کی بہادری سے خوش ہو کر راجا اندر نے اسے ایک شاندار رتھ دیا تھا جس میں تیز رفتار گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے، کہ جیاتی نے اس رتھ کی مدد سے چھے دن میں ساری پرتھوی کا سفر کیا اور کئی راجاؤں کو اپنا مطیع بنایا۔

جیاتی جب بوڑھا ہونے لگا تو اس کو اپنی جوانی کی یاد ستانے لگی۔ وہ اپنے گُرو کے پاس گیا اور پرنام کر کے بولا۔ ''مہاراج! جوانی کی یاد مجھے بہت تڑپاتی ہے۔ کیا کوئی ایسی ترکیب ہو سکتی ہے کہ میں پھر سے جوان ہو جاؤں اور کبھی بوڑھا نہ ہوں؟''

گُرو نے سوچ کر کہا ''اس کا صرف ایک طریقہ ہے۔ اگر کوئی اس پر تیار ہو جائے کہ وہ تمھارا بڑھاپا لے لے اور تمھیں اپنی جوانی دے دے تو تم یقیناً پھر سے جوان ہو سکتے ہو''۔

جیاتی کے پانچ بیٹے تھے۔ سب کے سب تنومند، تندرست اور جوان۔ اس نے سب سے بڑے بیٹے کو بلا کر پوچھا۔ ''بیٹا! میں کچھ دن اور عیش و عشرت سے گزارنا چاہتا ہوں اور جوانی کے مزے لینا چاہتا ہوں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تم مجھے اپنی آدھی جوانی دے دو اور میرا بڑھاپا لے لو۔ میں اس کے بدلے میں تمھیں راج پاٹ دے دوں گا''۔

بیٹے نے بڑے ادب سے جواب دیا۔ ''مہاراج! جب اپنی پوری جوانی کا لطف اٹھانے کے بعد بھی آپ کا جی نہیں بھرا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس کا مزا لیے بغیر ہی اسے آپ کو دے دوں۔ تخت و تاج تو بعد میں بھی مل سکتا ہے۔ لیکن جوانی پھر ہاتھ نہیں آئے گی''۔

جیاتی کو یہ سُن کر بہت دکھ ہوا۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے کو ولی عہد کے حق سے محروم کر دیا۔ اس کے بعد اس نے ایک ایک کر کے اپنے دوسرے بیٹوں کو بلایا اور ان سے بھی یہی سوال کیا۔ سب نے معذرت کی اور بڑھاپے کے بدلے میں جوانی دینے سے انکار کر دیا۔ لیکن سب سے چھوٹے بیٹے نے سر جھکا کر کہا۔ ''مہاراج! آپ کا حُکم سر آنکھوں پر! میں آپ کے لیے بڑی سے بڑی قُربانی دینے کو تیار ہوں، جوانی تو معمولی چیز ہے''۔

چنانچہ جیاتی پھر سے جوان ہو گیا، اور متواتر کئی برس تک جوانی کے مزے لُوٹتا رہا۔ لیکن کب تک؟ مانگی ہوئی جوانی کے دن بھی آخر پورے ہو گئے۔ جیاتی کو بُڑھاپے کا خوف پھر سے ستانے لگا اور وہ اپنے گُرو کے پاس پہنچا۔ گُرو نے پوچھا،

''ارے راجا، اب تو تم جوانی کی بہت سی خوشیاں دیکھ چکے ہو، کیا تم مطمئن ہو؟''

جیاتی نے اداس لہجے میں کہا ''اچاریہ جی۔ سچ تو یہ ہے کہ ابھی میرا جی نہیں بھرا۔ اگر اجازت ہو تو اپنے بیٹے کی جوانی کے

باقی دن بھی مانگ لوں، اور زندگی کے خوب مزے لیتا رہوں"۔

جیاتی نے چھوٹے بیٹے کو بلا کر اپنی خواہش کا دوبارہ اظہار کیا۔ بیٹے نے فرماں برداری کا ثبوت دیا اور راجا پھر سے جوان ہو گیا۔ اب کی بار راجا نے دنیا کی ہر خوشی کو از سر نو حاصل کیا اور اپنے دل کے سب ارمان پورے کیے۔ آخر بیٹے سے مانگی ہوئی باقی جوانی کے یہ دن بھی پورے ہو گئے اور بڑھاپے نے جیاتی کو پھر آ گھیرا۔

گرو نے اس سے پوچھا" کہو راجا اب تو دنیا سے تمھارا دل بھر گیا ہوگا"۔

جیاتی نے سر ہلا کر جواب دیا۔" نہیں مہاراج، ابھی کہاں؟ میرے دل میں تو خواہشوں کی آگ اور بھی بھڑک اٹھی ہے۔ اگر آپ کی عنایت سے ایک آدمی کی جوانی مجھے مل جائے تو ممکن ہے کہ میری خواہشیں کسی قدر پوری ہو سکیں"۔

کہتے ہیں اس طرح کیے بعد دیگرے کئی آدمیوں کی جوانی مانگ کر جیاتی نے ایک ہزار سال تک جوانی کے خوب مزے لوٹے لیکن پھر بھی جب گرو نے اس سے پوچھا تو راجا بدستور جواب دیتا رہا کہ خواہشیں ابھی پوری نہیں ہوئیں اور میرا دل اب بھی بھٹک رہا ہے، آخر اچاریہ نے کہا۔

> اے راجا! اگر تم لاکھوں سال بھی جوان رہو اور عیش و عشرت میں ڈوبے رہو تو بھی تمھاری خواہشات پوری نہیں ہو سکتیں۔ خواہشات کے پیچھے بھاگنا ایسا ہے جیسے آگ میں گھی ڈالنا۔ جتنا بھی تم خواہشات کو پورا کرنے کے لیے بھٹکو گے، اتنی ہی یہ آگ زیادہ بھڑکتی جائے گی۔

جیاتی نے پوچھا" تو مہاراج! من کی شانتی کا راستہ کیا ہے؟"

اچاریہ بولے" اپنی خواہشات پر قابو پانے کی کوشش کرو۔ ایسی چیز کی خواہش ہرگز نہ کرو جو تمھاری پہنچ سے دور ہو۔ من کی شانتی صبر کے راستے پر چل کر ملتی ہے۔

اس کے بعد جیاتی نے اچاریہ کی نصیحت گرہ باندھ لی۔ کہتے ہیں ایک ہزار سال تک عیش و عشرت میں ڈوبے رہنے پر بھی جیاتی کو جو سکھ اور شانتی حاصل نہ ہو سکی تھی، وہ اسے اچاریہ کے بتائے ہوئے صبر کے راستے پر چل کر حاصل ہو گئی۔

❁❁❁

ب۔ شکر گزاری

پرانے زمانے کی بات ہے کہ ایک قصبے میں تین دوست رہتے تھے، عام لوگ ان سے ذرا دور دور رہتے، مگر ان کی آپس میں گہری دوستی تھی۔ ان میں سے ایک لنگڑا تھا اور گلی کے کونے پر جوتوں کی مرمت کرتا تھا۔ دوسرا کوڑھی تھا اور بھیک مانگ کر گذارا کرتا تھا۔ وہ ہمیشہ پریشان رہتا تھا۔ اس کی جلد کی رنگت سے لوگ نفرت کرتے تھے۔ ان کا تیسرا دوست اندھا تھا۔ وہ عام طور پر لنگڑے دوست کے پاس بیٹھا رہتا اور راہگیر اسے کچھ نہ کچھ دے جاتے۔ کبھی کبھار وہ تینوں مل بیٹھتے اور دعا کرتے کہ خدا اُن کے

دن بدل دے۔

ایک دن یوں ہوا کہ ایک فرشتہ، انسان کے رُوپ میں اندھے کے پاس آیا اور اس کی خواہش کے بارے میں پوچھا۔ اندھے نے کہا، "اندھا کیا چاہے دو آنکھیں"۔ فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور اس کی بینائی لوٹ آئی۔ "اب مزید کوئی آرزو" فرشتے نے دوبارہ پوچھا، تو اس نے کہا دعا کرو خدا مجھے گائے دے تاکہ میں اس کا دودھ پی سکوں۔ اسی طرح فرشتہ کوڑھی کے پاس گیا تو کوڑھی نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس کا کوڑھ پن دور ہو جائے۔ اس نے دوسری خواہش یہ بتائی کہ اسے اونٹ مل جائے تاکہ روزگار کا ذریعہ نکل آئے۔ فرشتے نے اس کے بدن پر ہاتھ پھیر کر اسے صحت مند کر دیا اور اسے اونٹ بھی مل گیا۔

اب لنگڑا اکثر دعا کرتا کہ ایسا ہی اللہ کا بندہ اس کے مقدر سنوار دے اور اس کی قسمت بھی جاگ اٹھے۔ کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ ایک روز وہی فرشتہ لنگڑے کے پاس آیا۔ اس کا لنگڑا پن جاتا رہا اور دو بکریاں بھی اسے مل گئیں۔ اب ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے روزگار میں مگن ہو گیا۔ خدا نے ان کے کام میں برکت ڈالی اور وہ بہت امیر ہو گئے۔ کبھی کبھی مل بیٹھتے مگر انھوں نے بھولے سے بھی اپنے ماضی کو یاد نہ کیا۔ وہ جو خیرات پر گزارا کرتے تھے، اپنی اوقات بُھول گئے۔

کئی سال گزر گئے۔ اب ان کا شمار امیر لوگوں میں ہونے لگا۔ ایک دن وہی فرشتہ لنگڑے کے پاس آیا اور ایک بکری مانگی کہ میرے معصوم بچے کی ماں مر گئی ہے اور اسے دودھ کی ضرورت ہے لیکن میں غریب ہوں بکری خرید نہیں سکتا۔ لنگڑے نے اسے کورا جواب دیا۔ اسی طرح اس کو کوڑھی نے بھی کچھ نہ دیا اور دُھتکار دیا۔ آخر میں فرشتہ اندھے کے پاس آیا۔ اس نے نہ صرف مہمان نوازی کی بلکہ گائے مانگنے پر اسے بتایا کہ سب کچھ اللہ نے دیا ہے اس کے نام پر جتنی چاہو گائیں لے جاؤ۔ اب تو یہ چھوٹے بڑے پچاس جانور ہیں۔ فرشتہ خوش ہو کر چلا گیا۔

لنگڑے اور کوڑھی نے خدا کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا۔ اور نہ ہی انھیں ضرورت مندوں پر خرچ کیا۔ اس ناشکرے پن کی سزا دونوں کو یہ ملی کہ ایک پھر سے لنگڑا اور دوسرا کوڑھی ہو گیا، اور ان کا مال و اسباب بھی جاتا رہا۔ اندھا مزے سے زندگی بسر کرتا رہا اور جتنا شکر ادا کرتا خدا اسے اور دیتا رہا۔

یاد رکھیں ناشکرے پن سے نعمت چھن جاتی ہے اور شکر ادا کرنے سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

مشق

ا۔ مفصل جوابات لکھیں۔

-1 کہانی ادھوری خواہش کو اپنے الفاظ میں لکھیں۔

-2 شکر گزاری کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ روزمرہ زندگی سے مثالیں دے کر واضح کریں۔

ب۔ مختصر جوابات لکھیں۔

1- جیاتی کے بڑے بیٹوں نے اس کی خواہش کا احترام کیوں نہ کیا؟

2- اندھے فقیر نے فرشتے سے کس خواہش کا اظہار کیا؟

3- فرشتے نے لنگڑے سے کیا چیز مانگی؟

4- کوڑھی کے بد انجام کی وجہ بتائیں۔

5- شکر کرنے کا کیا صلہ ملتا ہے؟

ج۔ درست جواب پر نشان ✓ کا نشان لگائیں۔

1- جیاتی نے سکھ اور شانتی ______ حاصل کی۔

ا۔ بار بار جوانی پانے سے ب۔ ارمان پورے کرنے سے

ج۔ خواہشات کی آگ میں جلنے سے د۔ صبر کے راستے پر چلنے سے

2- کوڑھی، لنگڑے اور اندھے کے رویوں میں ______ فرق تھا۔

ا۔ دعا مانگنے کے انداز کا ب۔ ماضی کو یاد رکھنے کا

ج۔ شکر ادا کرنے کا د۔ ماضی کو بھول جانے کا

3- راجا اندر نے جیاتی کو رتھ اس کے ______ ہونے کی وجہ سے عطا کی۔

ا۔ طاقت ور ب۔ راجا

ج۔ بہادر د۔ فاتح

4- جیاتی نے عیش کی زندگی ______ سال تک بسر کی۔

ا۔ 100 ب۔ 200

ج۔ 500 د۔ 1000

د۔ خالی جگہ پر کریں۔

1- جیاتی کے ______ بیٹے نے اس کی خواہش کا احترام کیا۔

2- اچاریہ کے بتائے ______ کے راستے پر چلنے سے جیاتی کو شانتی مل گئی۔

3- ناشکرے پن سے لنگڑے کا ______ جاتا رہا۔

4- خواہشات کے پیچھے بھاگنا ایسے ہی ہے جیسے آگ میں ______ ڈالنا۔

5- تینوں دوستوں میں سے ______ بھکاری تھا۔

ہ۔ طلبہ کے لیے ہدایات۔

1- تمام طلبہ صبر و شکر کے موضوع پر کہانیاں تلاش کریں اور کمرۂ جماعت میں لاکر دوسروں کو سنائیں۔

2- ہر طالب علم بچپن میں نانی/دادی اماں سے سنی ہوئی کوئی کہانی لکھ کر دکھائے۔

و۔ اساتذہ کے لیے ہدایات۔

1- طلبہ کی جمع شدہ کہانیوں کا جائزہ لے کر اچھی کہانیاں چھانٹ لیں۔ یہ کہانیاں طلبہ کو سنائیں اور ان کا ریکارڈ رکھیں۔

2- طلبہ کو کہانی لکھنے کا طریقہ بتائیں۔

اخلاقی کہانیاں (2)

الف۔ ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے

موہن داس اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کے والد شہر میں کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ وہ زیادہ امیر تو نہ تھے لیکن ہر کوئی ان کی دیانت داری اور حسنِ سلوک کی تعریف کرتا۔ آئے دن ان کا روبار بڑھ رہا تھا۔ انہوں نے تنگی ترشی کے دن دیکھے تھے اس لیے دولت بڑھنے سے وہ درخت کی پھلدار شاخ کی طرح جھکتے چلے گئے۔ ہمسایوں کا خیال رکھنا، غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کرنا اور گلی محلے کے لوگوں کے دُکھ سُکھ میں شریک ہونے کو وہ عبادت سمجھتے تھے۔

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔۔۔ موہن داس بھی والدین کو دوسروں کی مدد کرتا دیکھ کر اسی جذبے سے سرشار ہو گیا۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ بڑا ہو کر ایسا کارنامہ سرانجام دے گا جس سے واقعی دکھی انسانوں کی مدد کی جا سکے۔ اُس نے اس کی ابتدا جیب خرچ سے کی۔ اُس کی والدہ اسے روزانہ جیب خرچ کے لیے جو رقم دیتیں اس سے وہ غریب اور ضرورت مندوں کی مدد کرتا۔ دراصل اسے لذیذ چیزوں کی لذت سے زیادہ دوسروں کی مدد میں مزہ آتا۔

موہن داس سکول سے واپسی پر محلے کے اُس سرے پر رہنے والے بوڑھے اور بُوڑھیا کے گھر ضرور جاتا۔ وہ بزرگ اپنے وقت کے ایک معروف معلم تھے۔ ایک حادثے میں ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔ اب وہ مشکلات کا شکار تھے۔ بڑھیا بچوں کو پڑھا کر گزراوقات کی لیے کچھ رقم جمع کر لیتی تھیں۔ موہن داس ممکن حد تک ان کی مدد کرتا۔ کبھی کبھی ماں سے کہہ کر انہیں کھانا بھی پہنچا دیتا۔ وہ میاں بیوی موہن کو رحمت کا فرشتہ سمجھتے اور ڈھیروں دعائیں دیتے۔

موہن داس پڑھائی میں اچھا تھا۔ آج جب اسے والدین اور بوڑھے بڑھیا کی دعاؤں سے میڈیکل کالج میں داخلہ ملا تو اسے خوابوں کی تعبیر ہوتی نظر آنے لگی۔ اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ ڈاکٹر بن کر وہ ایسا کارنامہ سرانجام دے گا جس سے غریب اور نادار لوگوں کے دکھ کم ہوں۔ چنانچہ اس نے والدین اور کچھ دوستوں سے مل کر ایک بڑا ہسپتال بنانے کا ارادہ کر لیا۔

حسنِ تدبیر، نیک نیتی اور خدمتِ خلق کے سچے جذبے نے اس کی منزلیں آسان کر دیں۔ اس کے والد نے وقف ہسپتال کے لیے پہلے ہی سال زمین خرید لی۔ ان کے سامنے گلاب دیوی اور سر گنگا رام جیسے انسان دوستوں کی مثالیں موجود تھیں۔ انہیں بڑی پذیرائی ملی۔ ایسے ایسے لوگوں نے وسائل فراہم کیے جو ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھے۔ پانچ سالوں میں اتنے وسائل اکٹھے ہو گئے کہ جب موہن داس سند لے کر آیا تو ہسپتال کی عمارت مکمل ہو چکی تھی۔

آج یہ ہسپتال بنے نصف صدی بیت چکی ہے۔ اس ہسپتال سے لاکھوں لوگ فیض یاب ہو چکے اور روزانہ سینکڑوں مریض مفت علاج کراتے ہیں۔ موہن داس کب کے سرگباش ہو چکے ہیں لیکن جب تک یہ ہسپتال قائم ہے لوگ ان کے گیت گاتے رہیں گے۔ اس کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

ہیں وہی لوگ جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

❀❀❀

ب۔ ظلم کا بدلہ

وہ ایک چھوٹی سی جاگیر تھی۔ اس کی آمدن دیگر بڑی ریاستوں کے مقابلے میں کم تھی لیکن زمین کی زرخیزی کی وجہ سے رانا دل جیت سنگھ کے وارے نیارے ہو جاتے۔ اس کا شمار بااثر اور امیر لوگوں میں ہوتا تھا۔ گاؤں کی ساری آبادی ہی رانا دل جیت سنگھ کے مزارعین پر مشتمل تھی اور وہ لوگ ہر شادی غمی میں رانا صاحب کے محتاج رہتے تھے۔ اگرچہ وہ سب رانا صاحب کے ظلم و ستم سے تنگ تھے لیکن ان کے لیے کہیں اور جانا بھی ممکن نہ تھا۔

گاؤں میں ایک پرائمری سکول تھا لوگ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ اساتذہ دوسرے گاؤں سے آتے اور بچوں کو تعلیم دے کر واپس لوٹ جاتے۔ البتہ حکیم کلبیر سنگھ ایسے آدمی تھے جو کچھ پڑھے لکھے بھی تھے اور لوگوں کا علاج معالجہ بھی کرتے تھے۔ انھیں بچوں کی تعلیم کا خیال رہتا تھا مگر گاؤں میں صرف پرائمری اسکول تھا۔ اس لیے انھوں نے اپنے بیٹے دلیر سنگھ کو پڑھائی کے لیے قریبی قصبے میں بھیج دیا تھا۔ اب وہ کالج میں زیر تعلیم تھا۔ ایک دفعہ یوں ہوا کہ گرمیوں کی چھٹیوں میں دلیر سنگھ اپنے والدین کے ساتھ چھٹیاں گزار رہا تھا کہ رانا دل جیت سنگھ نے حکیم صاحب کو طلب کیا اور حکم دیا کہ دلیر سنگھ میرے بیٹے کو پڑھانے کے لیے ڈیرے پر آیا کرے۔ رانا صاحب کا حکم ٹالنا مشکل تھا' چنانچہ نہ چاہتے ہوئے بھی دلیر سنگھ کو روزانہ رانا صاحب کے ہاں جانا پڑتا۔ دلیر سنگھ محنت سے پڑھاتا مگر چھوٹا رانا بہت لاڈلا تھا۔ اس لیے وہ پڑھائی پر کم توجہ دیتا۔ ایک روز جب دلیر سنگھ نے چھوٹے رانا کو ڈانٹ پلائی تو اس نے اپنے والد کو اتنا بھڑکایا کہ انھوں نے دلیر سنگھ کو مار مار کے بھرکس نکال دیا۔ رانا صاحب غصے کے تیز بھی تھے اور بے رحم بھی۔ دلیر سنگھ کو لوگ اٹھا کر اس کے باپ کے پاس لے آئے۔ حکیم صاحب نے اپنے بیٹے کا بہت علاج کیا لیکن وہ تندرست نہ ہو سکا اور چند روز کے بعد فوت ہو گیا۔

حکیم کلبیر سنگھ اتنے دل شکستہ ہوئے کہ وہ گاؤں چھوڑ کر شہر جا بسے۔ کئی سال بیت گئے۔ حکیم صاحب جوان بیٹے کا دکھ تو نہ بھول سکے البتہ وہ غریبوں کا علاج مفت اور تندہی سے کرنے لگے۔ اب رانا دلجیت سنگھ کا بیٹا جوان ہو چکا تھا۔ مگر وہ چار جماعتیں بھی نہ پڑھ سکا تھا۔ ایک روز وہ بیمار پڑا۔ بڑے بڑے ڈاکٹر بلائے گئے۔ رانا صاحب بڑے ہسپتال میں بھی لے گئے مگر افاقہ نہ ہوا۔ یہ بات جب حکیم کلبیر سنگھ کو رام لال مالی نے بتائی اور علاج کے لیے کہا' تو ان کا دل باوجود رانا کے ظلم کے پسیج گیا۔ انھیں معلوم تھا کہ رانا صاحب مجھ پر اعتماد نہیں کریں گے۔ اس لیے حکیم صاحب نے علاج ہمیشہ نقاب اوڑھ کر کیا۔ دراصل رانا دلجیت سنگھ کے دوست، رانا مست سنگھ نے بھی حکیم صاحب کو علاج کرنے پر آمادہ کیا تھا کیونکہ اس نے حکیم صاحب کو دو دفعہ ایسے مریضوں کے علاج میں

کامیاب پایا تھا جہاں بڑے بڑے ڈاکٹر ناکام ہو گئے تھے۔ انھوں نے رانا صاحب سے حکیم صاحب کا تعارف طبیہ کالج کے پروفیسر کے طور پر کرایا تھا۔ حسن اتفاق سے چھوٹا رانا صحت مند ہو گیا۔ تب یہ راز کھلا کہ یہ محسن حکیم تو وہی تھے جن کا بیٹا رانا صاحب کی مار پیٹ سے فوت ہو گیا تھا۔ رانا سخت شرمندہ ہوا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے حکیم صاحب سے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کسی پر بھی ظلم نہیں کرے گا۔ حکیم صاحب کے حُسنِ سلوک نے رانا دلجیت سنگھ کی زندگی کا رُخ بدل دیا۔ اب وہ مزارعین سے بھی اچھا سلوک کرنے لگا اور وہ سب دل سے اس کی قدر کرنے لگے۔

●●●

ج۔ دوسروں کے لیے جینا

ڈینیل نے اپنی موٹر سائیکل سڑک کے کنارے روک لی تھی۔ اس کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ اس کا بیٹا ایک اندھے کو سڑک کے اُس پار چھوڑ کر واپس آ رہا تھا۔ اسے خوشی کے ساتھ ساتھ اطمینان بھی ہوا کہ اس کی تربیت رائیگاں نہیں گئی۔ اچانک اُسے اپنا دوست جوزف یاد آ گیا اور وہ یک لخت اداس ہو گیا۔

جوزف اور ڈینیل ہم جماعت تھے۔ وہ گربھ ڈیم کے اس پار قصبے کے ہائی سکول میں پڑھتے اور ایک ساتھ سکول جاتے تھے۔ ڈینیل پڑھائی میں ہوشیار تھا اور جماعت میں اوّل آتا جبکہ جوزف ایک اوسط درجے کا طالب علم تھا مگر اس میں ایک خوبی ایسی تھی کہ سکول تو کیا دور دور تک اسکا کوئی ثانی نہ تھا اور خوبی یہ تھی کہ وہ ہمہ وقت خدمتِ خلق کے جذبے سے سرشار رہتا۔ خدا شکر خورے کو شکر دیتا ہے۔ اسے بھی ہر روز کوئی نہ کوئی خدمت کا موقع مل جاتا تھا۔ یہ سب کچھ اس کی ماں کی تربیت کا نتیجہ تھا۔

جوزف کی ماں زیادہ پڑھی لکھی نہ تھی لیکن غریب گھرانے کی یہ عورت ایک دردمند دل رکھتی تھی۔ اس کی یہی دردمندی بچے کی تربیت کا بنیادی پتھر بن گئی۔ جوزف سکول سے گھر آ کر کچھ دیر گھر کا کام کرتا اور پھر دو تین بیوہ عورتوں کے گھر جا کر ان کو سودا سلف لا کر دیتا۔ اسے دوسروں کے کام آ کر ایک روحانی خوشی ہوتی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کا یہ جذبہ توانا ہوتا گیا۔ وہ کبھی کبھی دو یتیم بچوں کو پڑھانے بھی چلا جاتا، جن کا باپ ایک حادثے میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

سردیاں شروع ہو چکی تھیں۔ سوموار کو وہ سکول کے لیے روانہ ہوا تو ڈینیل ابھی نہیں آیا تھا۔ اس نے گلی کی نکڑ پر تھوڑی دیر انتظار کیا مگر ڈینیل نہ پہنچا تو وہ سکول چلا گیا۔ واپس آ کر اس نے ماں سے ذکر کیا کہ آج ڈینیل سکول نہیں آیا۔ وہ بھی فکر مند ہوئی اور اُسے تاکید کی کہ فوراً اُس کے گھر جائے۔ اُس کے ابو بھی گھر پر نہیں۔

جوزف جب ڈینیل کے گھر پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ اسے تیز بخار ہے۔ گاؤں میں کوئی ڈاکٹر تو تھا نہیں۔ جوزف اس کی دوائی لینے قصبے کو چل دیا۔ جب وہ دوائی لے کر لوٹ رہا تھا تو سورج ڈوب رہا تھا وہ ڈیم کے کنارے پہنچا تو رُک گیا اسے وادی کا منظر بڑا خوب صورت لگا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ سڑک سے ذرا نیچے ڈیم سے پانی رِس رہا تھا۔ وہ کچھ دیر دیکھتا رہا۔ چھوٹا سا شگاف بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے پہلے مٹی اور پھر چھوٹے چھوٹے پتھروں سے شگاف کو بند کرنا چاہا مگر یہ بند نہ ہوا۔

اب جوزف قدرے بڑا پتھر اٹھا لایا۔ اس نے یہ پتھر شگاف کے منہ پر رکھا اور اسے پاؤں سے دبایا تو شگاف بند ہو گیا لیکن یہ کیا وہ پاؤں کا دباؤ کم کرتا تو پانی پھر سے بہہ نکلتا۔ اسے ڈر تھا کہ اور پتھر اٹھانے گیا تو پھر شگاف بڑا ہو جائے گا۔ اندھیرا بڑھ رہا تھا اور لوگوں کی آمدورفت بند ہو چکی تھی۔ اسے دسوسوں نے آلیا۔ اگر یہ شگاف بڑھتا گیا اور بند ٹوٹ جاتا ہے تو نیچے دو تین گاؤں بہہ جائیں گے۔ وہ زور زور سے لوگوں کو مدد کے لیے پکارنے لگا مگر بے سود۔ وہ سردی سے ٹھٹھر رہا تھا اور آخر کار صبح ہونے سے ذرا پہلے وہ جان کی بازی ہار گیا۔ اس نے اپنی جان دے کر ہزاروں لوگوں کی جان بچالی تھی۔

جب ڈینیل نے جوزف کی موت کی خبر سنی تو اسے بے حد دکھ ہوا۔ اس روز اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ خود کو دوسروں کے لیے وقف کر دے گا۔ وقت گزرتا رہا۔ اس کا بیٹا اب نویں جماعت میں تھا۔ اسے دوسروں کی خدمت کرتا دیکھ کر اسے جوزف بے تحاشا یاد آتا۔ مگر اسے اطمینان ہوتا کہ جوزف نے خدمتِ خلق کا جو پودا لگایا تھا وہ اب تن آور درخت بن چکا ہے۔

مشق

(الف) درج ذیل سوالوں کا مفصل جواب لکھیے۔

1۔ کہانی ''ہیں لوگ جہاں میں اچھے'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

2۔ ''ظلم کا بدلہ'' میں رانا دل جیت سنگھ اور حکیم گلبیر سنگھ کے کرداروں کا موازنہ کیجیے۔

(ب) مختصر جواب لکھیے۔

1۔ موہن داس کے دل میں خدمتِ خلق کے جذبے کو پروان چڑھانے میں کس کا کردار زیادہ ہے؟

2۔ موہن داس سکول سے واپس آ کر کس کی مدد کرتا تھا؟

3۔ حکیم گلبیر سنگھ نے رانا دل جیت سنگھ سے ظلم کا بدلہ کیسے لیا؟

4۔ کہانی ''دوسروں کے لیے جینا'' میں ڈینیل کس بات پر مطمئن ہے؟

5۔ جوزف بڑے پتھر سے پاؤں کیوں نہ ہٹا سکا؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کریں۔

1۔ کہانی ''ہیں وہی لوگ جہاں میں اچھے'' میں موہن داس کی کردار سازی میں بڑا حصہ .... کا ہے۔

(ا) والدہ (ب) والد

(ج) بڑھیا کی دعا (د) اساتذہ

2۔ ظلم کا بدلہ لینے کا سب سے اچھا طریقہ ہے۔

(ا) اینٹ کا جواب پتھر سے (ب) صبر کرنا

(ج) ظلم کے سامنے سر جھکانا (د) احسان کرنا

3۔ ڈینیل کے بیٹے میں جذبہ خدمتِ خلق ابھارنے میں بڑا کردار ....کا ہے۔

(ا) ڈینیل (ب) ماں

(ج) اساتذہ (د) جوزف کی مثال

4۔ جوزف کا کردار ....کی شاندار مثال ہے۔

(ا) قُربانی (ب) احسان

(ج) خدمتِ خلق (د) تابع فرمانی

(د) کالم (الف) کا رابطہ کالم (ب) سے کریں اور جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
موہن داس	ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے	
ظلم	قربان	
جان	بوڑھا	
معلّم	ڈاکٹر	
آتے ہیں جو کام دوسروں کے	احسان	

(ہ) سرگرمیاں

1۔ خدمتِ خلق اور ظلم کا بدلہ جیسے نتائج والی کہانیاں اکٹھی کریں اور جماعت میں یہ کہانیاں سب کو سنائیں۔

2۔ کتاب میں دی گئی کہانیوں میں سے کسی ایک کی ڈرامائی تشکیل کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات

1۔ بچوں کے جو رسائل شائع ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں بچوں کو بتایا جائے۔

2۔ جن بچوں کے گھروں میں بچوں کے رسائل آتے ہیں ان سے کہا جائے کہ اخلاقی کہانیاں فوٹو کاپی کرا کے لائیں۔ ان کی نمائش کا بندوبست کریں۔

نظمیں

الف۔ چند نصیحتیں

کرے دشمنی کوئی تم سے اگر
جہاں تک بنے تم کرو درگزر

کرو تم نہ حاسد کی باتوں پر غور
جلے جو کوئی اس کو جلنے دو اور

اگر تم سے ہو جائے سرزد قصور
تو اقرار و توبہ کرو بالضرور

بدی کی ہو جس نے تمھارے خلاف
جو چاہے معافی تو کر دو معاف

نہیں، بلکہ تم اور احساں کرو
بھلائی سے اس کو پشیماں کرو

ہے شرمندگی اس کے دل کا علاج
سزا اور ملامت کی کیا احتیاج

بھلائی کرو تو کرو بے غرض
غرض کی بھلائی تو ہے اک مرض

جو محتاج مانگے تو دو تم اُدھار
رہو واپسی کے نہ اُمیدوار

جو تم کو خدا نے دیا ہے تو دو
نہ خِسّت کرو اس میں جو ہو سو ہو

(اسماعیل میرٹھی)

مشق

1۔ نظم کے پہلے دو اشعار کی تشریح کیجیے۔

2۔ اس نظم میں جس قسم کے اخلاق پر زور دیا گیا ہے اُنھیں ایک پیراگراف میں لکھیے۔

❁❁❁

ب۔ ہمدردی

ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا ۔۔۔ بلبل تھا کوئی اُداس بیٹھا
کہتا تھا کہ رات سر پہ آئی ۔۔۔ اُڑنے چگنے میں دن گزارا
پہنچوں کس طرح آشیاں تک ۔۔۔ ہر چیز پہ چھا گیا اندھیرا
سُن کر بلبل کی آہ و زاری ۔۔۔ جگنو کوئی پاس سے بولا
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے ۔۔۔ کیڑا ہوں اگرچہ میں ذرا سا
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری ۔۔۔ میں راہ میں روشنی کروں گا
اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل ۔۔۔ چمکا کے مجھے دیا بنا

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

(اقبال)

مشق

1۔ اس نظم میں جگنو کے کردار پر پانچ جملے لکھیے۔
2۔ نظم کے اخلاقی نتیجے پر ایک کہانی تحریر کیجیے۔

ج۔ سماجی ذمہ داری

ضعیفہ پھٹے کپڑے پہنے کھڑی ہے — ضعیفی سے اس کی کمر جھک گئی ہے
سڑک پر آج اولے پڑے ہیں — یہی وجہ ہے پاؤں سُن ہو گئے ہیں
کھڑی ہے وہ چوراہے میں آہ کب کی — ہجوم خلائق میں بالکل اکیلی
وہ سہمی ہُوئی ہے قدم کیا اٹھائے — کہیں گھوڑا گاڑی سے ٹکر نہ کھائے
زن و مرد یوں تو بہت ہیں گزرتے — مگر اس پہ مُطلق نہیں رحم کھاتے
وہ دیکھو تو سامنے مدرسہ ہے — ابھی اس میں چُھٹی کا گھنٹا بجا ہے
نہایت ہی دل شاد نکلے ہیں لڑکے — بڑے خوش ہیں، خوش ہو کے ہیں غل مچاتے
اُٹھاتے ہیں اولے انہیں کھیل سا ہے — اُٹھا کر ہر ایک بھاگتا دوڑتا ہے
نہ بُڑھیا پہ لیکن نظر ہے کسی کی — اسی طرح بے کس کھڑی ہے اکیلی
بس اب اک لڑکا ہی باقی بچا ہے — وہ ہنستا ہوا سب سے پیچھے چلا ہے
ضعیفہ کے پاس آ کے کہتا ہے مائی — یہاں کیوں کھڑی تو ہے سہمی ہوئی سی
گزرنا ہے چوراہے میں سے تجھے گر — تو آ، تجھ کو پہنچا دوں بن کر میں رہبر
ضعیفہ نے شانے پہ ہاتھ اس کے رکھا — لرزتے ہوئے پاؤں کو پھر اُٹھایا
وہ لڑکا تھا آگے وہ بڑھیا تھی پیچھے — سلامت نکل آئے وہ چوک میں سے
ضعیفہ کو پہنچا کہ وہ نیک لڑکا — تبسم کُناں اپنے یاروں میں آیا
لگا کہنے گو ہے غریب اور بوڑھی — مگر دوستو، یہ بھی ماں ہے کسی کی
غریب اور بوڑھی ہُوئی گر مری ماں — نہ میں پاس اس کے ہوا گر کبھی واں
اسی طرح بازو کا دے کر سہارا — مدد اس کو دے گا کوئی ماں کا پیارا
وہ بڑھیا بھی جو مہر، ماں تھی کسی کی — دُعا گھر میں شب حق سے یہ کہہ رہی تھی

سدا خوش رہے یا الٰہی وہ لڑکا
کسی کا جو ہے باعثِ ناز بیٹا

(سورج نرائن مہر دہلوی)

مشق

1۔ شاعر نے اس نظم کے ذریعے ہمیں کیا پیغام دیا ہے؟

2۔ نظم کا خلاصہ اپنے الفاظ میں تحریر کریں جو کہ ایک سو بیس الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔

علم وحکمت کے موتی

ایک دانا کا قول ہے کہ علم روشنی ہے۔ روشنی کا یہ سفر ہزاروں سال سے جاری ہے۔ چراغ سے چراغ جلتے رہے اور روشنی پھیلتی رہی۔ کائنات بنانے والے نے آسمانوں کو ستاروں اور زمین کو اہلِ علم سے منور کیا۔ بھلا وہ کون سا پیغام بر، حواری، صحابی، رشی، گرو، سینٹ (Saint)، پادری، بھکشو، اوتار، ولی اللہ یا صوفی ایسا ہے جسے علم سے نہ نوازا گیا ہو۔ علم ہی خود اپنی پہچان کراتا اور خدا تک پہنچنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ علم ہی دنیا میں آسودگی اور معاشرتی ترقی کا ذریعہ ہے۔ اسی لیے تمام مذاہب کی الہامی اور مقدس کتابوں میں علم کی اہمیت بتائی گئی ہے اور علم کے حصول پر زور دیا ہے۔

ذیل میں مختلف مذاہب کی مقدس کتابوں سے عبارات دی جاری ہیں۔ جن سے علم ودانش کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

ہندو دھرم کی مقدس کتب وید اور گیتا سے

1- علم کے حصول سے ذہن کو جلا ملتی ہے۔
2- عالم کو چاہیے کہ علم اور جہالت، صاف سیدھی راہ اور ٹیڑھے میڑھے راستے میں تمیز کرے۔
3- عظیم ہیں وہ عالم جو اپنے خیالات پر غور وفکر کرتے اور انھیں عمل کا روپ دیتے ہیں۔
4- جس طرح سورج تمازت اور روشنی دے کر قابلِ احترام قرار پاتا ہے۔ اسی طرح آپ بھی علم حاصل کرکے محترم بن سکتے ہیں۔
5- ہر روشنی، میری روشنی سے روشن ہوتی ہے اور اس طریقے سے ہردا (دل) میں بستا ہوں۔

زرتشتوں کی مقدس کتاب اوستا سے

1- تمام اچھے خیالات، الفاظ اور کارنامے علم سے تکمیل پاتے ہیں۔
2- جسے کچھ سکھاؤ اسے علم کے نور سے منور کرو۔
3- اے خدا! ہم اچھے کاموں، لفظوں اور اچھی دانش کے سہارے تیرا قُرب پاتے ہیں۔
4- جو اس دنیا میں تابع فرماں ہے وہ اگلی دنیا میں علم ودانش سے جڑا ہوگا۔
5- ہاؤما (Haoma) ان لوگوں کو علم ودانش عطا کرتا ہے جو اسے عرصے تک کتابوں میں تلاش کرتے ہیں۔

مسیحیوں کی ''کتابِ مقدس'' سے

1- حکمت کا حصول سونے سے بہتر اور فہم کا حصول چاندی سے، بہت پسندیدہ ہے۔
2- حکمت سے گھر تعمیر کیا جاتا ہے اور فہم سے اس کا قیام ہوتا ہے اور علم کے وسیلہ سے کوٹھریاں، نفیس ولطیف مال سے معمور کی جاتی ہیں۔

3- خداوند کا خوف علم سے شروع ہوتا ہے۔

4- حکمت کو ترک نہ کرنا وہ تیری حفاظت کرے گی۔

5- ہوشیار کا دل علم حاصل کرتا ہے اور دانا کے کان علم کے طالب ہیں۔

مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن مجید سے

1- جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے اللہ ان کے درجے بلند کرے گا۔

2- اور دعا کرو اے میرے پروردگار! مجھے اور زیادہ علم دے۔

3- اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں۔

4- کہیے بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

5- وہ (اللہ تعالیٰ) جسے چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے اور جس کو دانائی ملی، بے شک اس کو بڑی نعمت ملی اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل مند ہیں۔

سکھوں کی مقدس کتاب گرو گرنتھ صاحب سے

1- سچائی کے ساتھ علم کا حصول درویشی ہے۔

2- علم، ریاضت / سادھنا، جوگ اور مراقبہ۔ ان چار نعمتوں سے دل کی کلی کھل جاتی ہے۔

3- عالم کی صحبت علائق غیر مطلوب کو قطع کر دیتی ہے۔

4- کوشش کو اپنا معمول جانو، حوصلے کو اپنا مزاج بنالو، دانش کو اپنا لباس اور علم کو اپنا ہتھیار بنالو۔

5- لفظ ہی سے نام بنے اور لفظ ہی سے ورد بنے، لفظ ہی سے گیان حاصل ہوتا ہے۔

باب
2
سکھ مذہب

سکھ مذہب کا تعارف

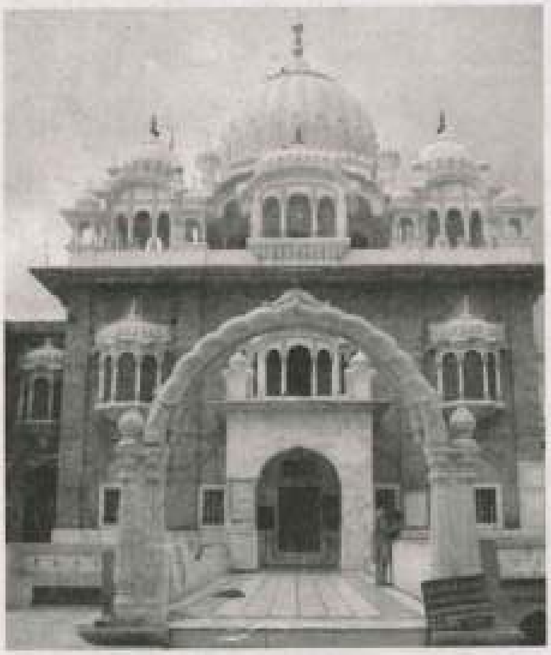
گرودوارہ پنجہ صاحب حسن ابدال

اسلام آباد سے کاغان جاتے ہوئے ہمیں کچھ دیر کے لیے حسن ابدال رکنا پڑا۔ حسن ابدال، راولپنڈی سے پچاس کلومیٹر شمال مغرب میں جرنیلی سڑک کے کنارے پر واقع ہے۔ صدیوں سے آباد اس قصبے کو چشموں کی سرزمین اور ولیوں کا مسکن کہا جاتا ہے۔ اسے وادیِ کاغان کا گیٹ وے بھی کہتے ہیں لیکن حسن ابدال کی بین الاقوامی شہرت سکھوں کے مقدس مقام، پنجہ صاحب، کی وجہ سے ہے۔ روایت ہے کہ سکھ مذہب کے بانی بابا گرونانک دیو جی مکہ، مدینہ، بغداد اور ایران سے ہوتے ہوئے یہاں پہنچے اور کچھ دن قیام کیا۔ اسی گرودوارے میں ان کے ہاتھ کا نشان پنجہ ہے جس سے پانی کا چشمہ کئی صدیوں سے رواں دواں رہا ہے۔ اسی لیے یہ مقام "پنجہ صاحب" کے نام سے مشہور ہے۔ ہر سال 14 اپریل کو بیساکھی کے میلے میں دنیا بھر سے ہزاروں سکھ یاتری یہاں زیارت کے لیے آتے ہیں۔

ہماری لگژری کوچ پہاڑی کے دامن میں پنجہ صاحب گرودوارے کے صدر دروازے کے سامنے رک چکی تھی اور طلبہ گرودوارہ پنجہ صاحب دیکھنے میں مشغول ہو گئے۔ مجھے مذاہب کی تاریخ سے دلچسپی رہی ہے۔ اس لیے یہاں میں نے گرودوارے کے سیوادار سردار سرجیت سنگھ سے سکھ مذہب کے بارے میں کئی سوال پوچھے۔ وہ مذہب کے پابند بھی ہیں اور صاحب علم بھی، انھوں نے بڑی سنجیدگی سے بتایا:

برعظیم ہندوپاک میں کئی مذاہب کا دور دورہ رہا۔ ہندومت، بدھ مت، جین مت، اور اسلام کا شمار ان مذاہب میں ہوتا ہے جو آج بھی یہاں رائج ہیں۔ سکھ مذہب کی بنیاد پندرھویں صدی کے اواخر میں پڑی اور اس کے بانی بابا گرونانک دیو جی نے اپنے عہد کے دیگر مذاہب سے بھی فیض پایا۔

اب ہم پنجہ صاحب کے اندر مرکزی عبادت گاہ کے شمالی دروازے سے ہٹ کر کرسیوں پر بیٹھے بات چیت کر رہے تھے۔ سردار سرجیت سنگھ بات کرتے کرتے ذرا رک گئے۔ یورپ سے آئے چند سکھ یاتری ہمارے سامنے سے گزرے۔ انھوں نے سردار سرجیت سنگھ کو فتح بلائی اور عبادت گاہ میں داخل ہو گئے۔ ان کے مخصوص خدوخال اور رنگا رنگ پگڑیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرجیت سنگھ جی کہنے لگے۔ سکھ مذہب کے دسویں گُرو گُرو گوبند سنگھ جی کے عہد میں سکھوں کے لیے (پانچ کاف) کنگھا، کیس، کڑا، کچھیرا اور کرپان لازم ٹھہرے اور اسی زمانے میں ہر مرد سکھ کے نام کے آخر میں سنگھ اور ہر خاتون کے نام کے آخر میں کور لکھا جانا لازم قرار پایا۔

بابا گُرونانک دیو جی نے ہندو اور مسلم اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ انھوں نے عربی اور فارسی مولوی قطب الدین سے پڑھی۔ بچپن ہی سے ان کو مذہب سے گہرا لگاؤ تھا۔ گیارہ سال کی عمر میں انھوں نے جنیو پہننے سے انکار کر دیا۔ یہ سوتی دھاگا ایک مذہبی تقریب میں ہندو بچوں کو پہنایا جاتا ہے کیونکہ بابا گُرونانک دیو جی بچپن ہی سے ذات پات کی تفریق کے قائل نہ تھے۔ سکھ مذہب کی مقدس کتاب میں بابا گُرونانک دیو جی کے علاوہ دیگر گُروؤں اور بابا فریدالدین مسعود گنج شکر، بھگت کبیر اور دیگر بہت سے بھگتوں کا کلام بھی شامل ہے۔

سکھ مذہب میں توحید کو خاص اہمیت حاصل ہے وہ خدا تعالیٰ کو ایکو اُونکار سمجھتے ہیں اور یہی ان کی تعلیمات میں سب سے اہم ہے۔ وہ ذات پات کے تصور کے خلاف ہیں۔ ان کے ہاں سب انسان برابر ہیں۔ دراصل ان کا خمیر اسی ذات پات کی تردید سے اٹھا۔ اس مذہب میں ایثار، ہمدردی اور خدمتِ خلق کو بڑا اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ گُردواروں میں پرشاد (حلوہ) بلاتفریق مذہب ہر ایک میں تقسیم ہوتا ہے۔ سکھ مذہب میں زیادہ زور حمد وثنا اور عرفان پر ہے۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیے۔

1۔ پنجہ صاحب حسن ابدال کے بارے میں مفصل لکھیے۔

2۔ بابا گرونانک دیو جی نے کن باتوں پر زور دیا ہے مختصراً لکھیے۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ سکھ مذہب کا مقدس مقام پنجہ صاحب کہاں واقع ہے؟

2۔ بابا گرونانک نے کن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی؟

3۔ سکھ مذہب میں سب سے زیادہ زور کس عقیدے پر ہے؟

4۔ جنیو کیا چیز ہے؟

5۔ ذات پات کے بارے میں سکھ مذہب کیا کہتا ہے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ پنجہ صاحب سے .... مراد ہے؟

(ا) باباگرونانک دیوجی کے ہاتھ کا نشان (ب) پاؤں کے پنجے کا متبرک نشان

(ج) حسن ابدال کی ایک تاریخی عمارت (د) حسن ابدال میں سکھوں کا گرودوارہ

2۔ کیس، کنگھا اور کرپان وغیرہ کا حکم .... نے دیا۔

(ا) باباگرونانک دیوجی (ب) سردار سرجیت سنگھ

(ج) گروگوبند سنگھ (د) گروہرگوبندجی

3۔ سکھ مذہب میں سب سے زیادہ اہمیت .... حاصل ہے۔

(ا) حمد وثنا اور عرفان (ب) عرفان اور قربانی

(ج) قربانی (د) خدمتِ خلق

4۔ باباگرونانک دیوجی نے جنیو پہننے سے انکار کیا کیونکہ وہ اسے .... سمجھتے تھے۔

(ا) غیراہم (ب) تکبروغرور کی علامت

(ج) ہندوروایات کا حصہ (د) ذات پات کی علامت

(د) خالی جگہ پر کیجیے۔

1۔ سکھ مذہب کی بنیاد .... کے اواخر میں پڑی۔

2۔ نام کے ساتھ سنگھ کا لاحقہ گرو .... نے لازم قرار دیا۔

3۔ گرودواروں میں .... بلاتفریق مذہب ہر ایک میں تقسیم ہوتا ہے۔

4۔ گرونانک نے عربی اور فارسی .... سے پڑھی۔

5۔ گروگرنتھ صاحب میں مسلمان صوفی بابا .... کا کلام شامل ہے۔

(ہ) سرگرمیاں

1۔ مختلف کتب اور رسائل سے سکھ مذہب کے مقدس مقامات کی تصاویر اکٹھی کریں اور کمرۂ جماعت میں ان کی نمائش کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ کو مستند تاریخی کتب سے گرودوارہ پنجہ صاحب اور گرودوارہ ننکانہ صاحب کی تاریخ سے آگاہ کریں۔

❁❁❁

سکھ مذہب کیسے پھیلا؟

بابا گرو نانک دیو جی کے عہد میں سکھوں پر ان کی شخصیت اور تعلیمات کے گہرے اثرات تھے۔ اس لیے انھوں نے سکھوں کی مذہبی جماعت بنانے کی شعوری کوشش نہیں کی اور نہ ہی اسے سیاسی جماعت بنایا۔ البتہ اپنے پیروکاروں کی رہنمائی کے لیے گرو انگد دیو جی کو جانشین بنایا۔ ان کا تقرر بڑا مفید ثابت ہوا۔ انھوں نے نہ صرف بابا جی کی روایات کو جاری رکھا بلکہ کیرتن اور لنگر کی روایات کو وسیع کیا۔ انھوں نے گورمکھی رسم الخط ایجاد کیا اور صوفیوں اور بھگتوں کا کلام جمع کیا اور اسے گرو گرنتھ صاحب میں شامل کر دیا۔ اسی طرح بابا گرو نانک دیو جی کی سوانح عمری (جنم ساکھی) بھی مرتب کرائی۔ ان اقدامات سے ان کے پیروکاروں اور عقیدت مندوں میں اتحاد اور ایک جماعت ہونے کا احساس پیدا ہوا۔

طلبہ اور اساتذہ پنجہ صاحب کی یاترا کے بعد پہاڑی کی چوٹی پر واقع بابا ولی قندھاری (جو کہ مسلمانوں اور سکھوں، ہر دو کے لیے قابلِ احترام ہیں) کی چلہ گاہ دیکھنے کے بعد واپس آ رہے تھے کہ وقت کی کمی کے پیشِ نظر میں نے بے تابی سے سوال کیا ''سکھ تحریک کو موجودہ مقام حاصل کرنے کے لیے کن کن مراحل سے گزرنا پڑا؟'' سردار سرجیت سنگھ جی نے میری بے تابی کو بھانپ لیا تھا اور مسکرا کر کہنے لگے۔ صدیوں کے سفر کی تاریخ بتانے میں کچھ وقت تو لگتا ہے اور پھر کہنے لگے کہ لہنا بھائی (گرو انگد دیو جی) کے بعد آنے والے ہر گرو نے جماعت کو منظم کرنے اور مذہبی و سماجی تبدیلیاں لانے میں اپنا اپنا کردار ادا کیا۔ گرو انگد دیو جی کے عہد میں ادارہ سنگت قائم ہوا جو آگے چل کر گردوارے کی بنیاد بنا۔ تیسرے گرو، گرو امرداس نے نظم و نسق کو باقاعدہ بنایا۔ گرو امرداس جی نے شہنشاہ اکبر سے مل کر کئی ایک رفاہی کام کیے۔ جس سے لوگوں کے دلوں میں سکھوں کے لیے نرم گوشہ پیدا ہوا اور تحریک مضبوط ہوئی یہ بات سکھ مذہب اختیار کرنے والوں کے لیے کشش کا سبب بنی۔ تیسرے، چوتھے اور پانچویں گرو کے تعلقات بھی شہنشاہ اکبر سے خوشگوار رہے اور ان کا اثر و رسوخ بڑھا اور انھی گروؤں کے عہد میں سکھ جماعت کا الگ تشخص قائم ہوا۔ گرو امرداس نے بیساکھی کے تہوار پر سکھوں کو الگ سے گرو کے ہاں اکٹھا ہونے کو کہا، تا کہ وہ اپنا تہوار ہندوؤں سے الگ منا سکیں۔ اسی طرح انھوں نے شادی بیاہ اور مرنے کے بعد کی رسومات بھی الگ سے متعین کرنے کی کوشش کی۔ رسم ستی کی پر زور مخالفت کی۔ گرو رام داس جی نے امرت سر گردوارہ سری ہرمندر صاحب (اب گولڈن ٹمپل) کی بنیاد بھی مسلمانوں کے سلسلہ قادریہ کے مشہور ولی اللہ حضرت میاں میرؒ کے ہاتھوں رکھوائی۔

پانچویں گرو ارجن دیو جی نے ایک تو سکھوں کو مذہبی جماعت میں پرو دیا اور دوسرا یہ کہ اپنے سے پہلے چار گروؤں، سنتوں اور بہت سے صوفیوں کا کلام گرو گرنتھ صاحب میں شامل کر کے اسے مکمل کر دیا اور اس کے بعد سے اب تک سکھ اسی سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ امرت سر میں مرکزی عبادت گاہ اسی دور میں بنی۔ اسے اب ''دربار صاحب'' کہا جاتا ہے۔ اسی دور میں گرو نے عشر (دسونتھ) دینے کا کام منظم کیا۔ اس سے سکھوں کو رفاہی کاموں کے لیے وسائل حاصل ہوئے۔

گرودوارہ ننکانہ صاحب

دریائے راوی اور دریائے بیاس کا درمیانی علاقہ سکھوں کی توجہ کا مرکز رہا اور یہاں ان کے قدم مضبوطی سے جم گئے۔ یہاں ہندو جاٹ زیادہ تھے۔ ان کے سکھ مذہب اختیار کرنے سے جماعت کی قوت میں اضافہ ہوا۔

گرو اَرجن دیو جی نے ترن تارن، کرتار پور اور ہرگوبند پور آباد کیے۔ گرو اَرجن دیو جی نے مغل بادشاہ جہانگیر کے باغی بیٹے خسرو کی مدد کی۔ لاہور کا گورنر دیوان چندو مل ایک رشتے کے تنازعے میں گرو اَرجن دیو جی سے ناراض ہوا اور ایک سازش کے تحت جہانگیر سے گرو اَرجن دیو جی کی گرفتاری کا پروانہ حاصل کرلیا اور گرو کو قید کرکے اذیتیں دے کر شہید کیا۔ بعد میں حضرت میاں میرؒ نے جہانگیر بادشاہ کو حقیقتِ حال بتائی تو اس نے چندو مل کو نکیل ڈال کر گرو ہرگوبند سنگھ صاحب کے حوالے کردیا کہ یہ ہے تیرے پتا جی کا قاتل۔ گرو اَرجن دیو جی کے بعد ان کا بیٹا گرو ہرگوبند سنگھ جی جانشین ہوئے تو اس نے دو تلواریں زیبِ تن کیں ایک "میری" اور دوسری "پیری" کی علامت۔ گرو ہرگوبند سنگھ جی نے اپنے پیروکاروں کو مسلح رہنے کا حکم دے دیا اور فوجی مشقیں بھی ہونے لگیں۔ اس دور میں پنجاب کے مغل گورنر سے دو تین بار ٹکراؤ بھی ہوا۔

گرو ہرگوبند سنگھ کے جوتی جوت سمانے کے بعد گرو ہری رائے جی کے عہد میں کوئی بڑا واقعہ رونما نہ ہوا۔ ہری رائے جی کے بعد ہرکرشن جی کم سنی میں گرو بنائے گئے اور ان کے بعد تیغ بہادر جی گرو بنے۔ وہ صلح پسند انسان تھے۔ اورنگ زیب کے عہد میں انھیں دہلی بلا کر شہید کردیا گیا جس کے دوررس اثرات مرتب ہوئے۔ گرو تیغ بہادر جی کے بیٹے گرو گوبند سنگھ جی دسویں گرو ہوئے۔ گرو گوبند سنگھ جی شاعر بھی تھے اور علم و ادب سے دلچسپی رکھتے تھے اور ایک جرأت مند جنگجو بھی تھے۔ وہ ہمالہ کے پہاڑوں کے دامن میں بتیس سال تک رہے۔ انھوں نے روحانی طور پر جماعت کو مضبوط کیا۔ انھوں نے "امرت چکھنے کی رسم" سے وفاداری کے کڑے امتحان کے بعد مختلف ذاتوں کے پانچ افراد کا انتخاب کیا اور وہ "پنج پیارے" کہلائے۔ اب بھی اکال تخت پر پنج پیارے ہوتے ہیں، پھر ہزاروں عام سکھ عقیدت مند خالصہ بنتے ہیں۔

گرو گوبند سنگھ جی نے ہندوؤں اور مسلمانوں سے الگ قوانین کا اعلان کیا۔ ہر سکھ مرد کے نام کے ساتھ سنگھ اور ہر سکھ خاتون کے نام کے آخر میں کور لگانا لازم قرار دیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے پانچ چیزیں ہر سکھ کے لیے لازمی قرار دیں۔ ان میں کیس (بال) کنگھا، کڑا (ہاتھ میں پہننے کے لیے)، کچھا (جانگیہ) اور کرپان شامل ہیں۔ مہاراجا رنجیت سنگھ نے چالیس سال تک حکومت

کی۔اس کی سلطنت کشمیر سے سندھ اور ملتان سے صوبہ سرحد تک تھی۔ بعد میں انگریزوں نے مختلف جنگوں میں انھیں شکست دی مگر آزادی کے بعد اب بھی مشرقی پنجاب میں سکھ ایک اہم قوت ہیں۔ مشرقی پنجاب کے علاوہ یورپ، امریکہ، کینیڈا، جرمنی، دوبئی، افغانستان، ایران اور پاکستان میں بھی سکھوں کی کافی تعداد آباد ہے۔ آج سکھ مذہب کے پیروکار دنیا کے تمام حصوں میں کسی نہ کسی تعداد میں موجود ہیں۔ یہ سکھ مذہب کے عالمی ہونے کی دلیل ہے۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ گرو انگد دیو جی کے عہد میں سکھ مذہب میں کیا کیا تبدیلیاں آئیں۔ مفصل لکھیں۔
2۔ مغلوں سے سکھوں کے تعلقات کیسے رہے اور اختلافات کے نتائج پر روشنی ڈالیں۔
3۔ گرو ارجن دیو جی اور گرو گوبند سنگھ کی اصلاحات پر نوٹ لکھیں۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ بابا گرو نانک دیو جی نے کس کو اپنا جانشین بنایا؟
2۔ کون سا ادارہ گرودوارے کی بنیاد بنا؟
3۔ گرو ارجن دیو جی کے والد کا کیا نام تھا؟
4۔ عشر اکٹھا کرنے کا کام کس گرو کے عہد میں شروع ہوا؟
5۔ گرو گوبند سنگھ نے سکھوں کے نام میں کیا تبدیلی کی؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ بابا گرو نانک دیو جی نے سوچ سمجھ کر سکھوں کو

(ا) ایک مذہبی جماعت نہ بنایا (ب) سیاسی جماعت کا روپ نہ دیا
(ج) مذہبی و سیاسی قوت میں نہ ڈھالا (د) ا، ب، ج

2۔ گرو انگد دیو جی ______ گرو تھے

(ا) پہلے (ب) دوسرے
(ج) تیسرے (ج) چوتھے

3۔ گرو گرنتھ صاحب کو ______ نے مکمل کیا

(ا) بابا گرو نانک دیو جی (ب) گرو امر داس جی
(ج) گرو رام داس جی (د) گرو ارجن دیو جی

4۔ امرت سر میں گولڈن ٹمپل کی بنیاد ________ نے رکھی۔

(ا) گرو رام داس صاحب (ب) ایک مسلمان صوفی

(ج) گرو ارجن دیو جی (د) ایک بھگت

(د) صحیح جملے کے سامنے ص اور غلط کے سامنے غ لکھیے۔

1۔ گرو انگد دیو جی نے صوفیوں اور بھگتوں کا کلام جمع کیا۔

2۔ گرو امرداس جی کے عہد میں ادارہ سنگت قائم ہوا۔

3۔ گرو رام داس جی نے ہندوؤں سے تہوار اور شادی بیاہ کی رسوم الگ کیں۔

4۔ گرو ہرگوبند جی کے بعد گرو ہری رائے جی جانشین بنے۔

5۔ ہر سکھ عورت کے نام کا لاحقہ کور، گرو گوبند سنگھ جی نے شروع کرایا۔

(ہ) سرگرمیاں

1۔ جماعت میں موجود کسی طالب علم نے گردوارہ پنجہ صاحب کی زیارت کی ہے تو اس سے تفاصیل سنی جائیں۔

2۔ سکھ مت کے پھیلاؤ کی اہم وجوہات کا ایک چارٹ بنا کر آویزاں کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ نقشے کی مدد سے سکھوں کے مقدس مقامات کی نشان دہی کریں نیز ان علاقوں کے بارے میں طلبہ کو مزید معلومات دیں۔

❁❁❁

بابا گرونانک دیو جی اور ان کی تعلیمات

سکھ مذہب کے بانی بابا گرونانک دیو جی 1469ء میں تلونڈی میں پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں لاہور سے ۹۰ کلومیٹر جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اب اسے ننکانہ صاحب کہتے ہیں اور اب یہ ضلعی صدر مقام ہے۔ ان کے والد ذات کے بیدی کھتری تھے۔ نانک صاحب کی پیدائش پر دولتاں دائی نے ان کا زائچہ تیار کیا اور والدین کو بتایا کہ یہ نومولود ایک بڑا آدمی بنے گا۔

جب نانک جی کی عمر پانچ سال ہوئی تو انھوں نے گاؤں میں پڑھنا شروع کیا۔ انھوں نے سنسکرت پنڈت برناجن شاستری سے اور عربی فارسی مولوی قطب الدین سے پڑھی۔ نانک جی بچپن ہی میں کبھی کبھی رب کی حمد وثنا میں کھو جاتے تھے۔ البتہ تعلیم حاصل کرنے میں ذہین تھے۔ ان کا حافظہ بلا کا تھا۔ بعض اوقات وہ اپنے جوابات سے اساتذہ کو حیران کر دیتے۔

ہندوؤں میں ایک رسم ہے کہ جب کوئی بچہ گیارہ سال کا ہو جائے تو اسے جنیو پہنایا جاتا ہے۔ جنیو ایک سوتی ڈوری ہے جس پر منتر پڑھ کر بچے کو پہناتے ہیں۔ جنیو دراصل بڑی ذات کا امتیازی نشان تھا۔ اس کے لیے باقاعدہ ایک تقریب منعقد ہوئی مگر بابا نانک دیو جی نے یہ کہہ کر جنیو پہننے سے انکار کر دیا کہ انسان اپنے اعمال سے بلند یا پست ہوتا ہے اس جنیو سے نہیں۔ چنانچہ جنیو پہنے بغیر ہی تقریب ختم ہو گئی۔

بابا گرونانک دیو جی کا طبعی رجحان بچپن ہی سے مذہب کی طرف تھا۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ مزید پروان چڑھتا گیا۔ ان کے والد مہتا کلیان داس جی کی شدید خواہش تھی کہ نانک صاحب کاروبار میں دل لگائیں۔ انھوں نے بہت کوشش کی۔ اور ایک مرتبہ انھوں نے ایک معقول رقم دے کر نانک جی کو سامانِ تجارت خریدنے کے لیے بھیجا۔ راستے میں انھیں کچھ سادھو مل گئے جو فاقہ کشی میں مبتلا تھے۔ چنانچہ نانک جی نے اس رقم سے کھانے پینے کی چیزیں خرید کر سادھوؤں کو دے دیں۔ یہ کام ان کے نزدیک سب سے زیادہ نفع بخش تھا۔ ان کے والد نے انھیں سزا کے طور پر ان کی بہن بی بی نانکی جی کے پاس بھیج دیا۔ نانکی جی کے خاوند جے رام، سلطان پور میں نواب دولت خان لودھی کے ہاں ملازم تھے۔ وہیں بابا نانک دیو جی کو بھی ملازمت مل گئی۔ انھیں سرکاری گودام کا نگران بنایا گیا۔ اس وقت بابا نانک دیو جی کی عمر اٹھارہ انیس برس تھی۔ ان کی بہن اور بہنوئی نے ان کی شادی بٹالہ کے ایک کھتری خاندان میں کر دی۔ ان کی بیوی کا نام سُلکھنی جی تھا۔ جس سے ان کے دو بیٹے بابا سری چند اور بابا لکشمی داس پیدا ہوئے۔

سلطان پور میں ملازمت کے دوران میں بابا نانک دیو جی صبح سویرے اٹھتے اور بین ندی پر غسل کرتے اور وہیں خدا تعالیٰ کی حمد وثنا میں مصروف ہو جاتے۔ ان کے بچپن کے ساتھی بھائی مردانا بھی ساتھ ہوتے۔ مردانا بھائی رُباب بجانے میں مہارت رکھتے تھے۔ شام کو بھی روزمرہ معمولات کے بعد بابا نانک دیو جی یادِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ وہاں ان کے کچھ چیلے بھی پیدا ہو گئے تھے اور وہ بھی عبادت میں ان کے ساتھ شامل ہو جاتے۔

ایک روز عجیب واقعہ پیش آیا۔ بابا نانک دیو جی کپڑے اتار کر ندی میں اُترے اور پھر کافی دیر تک باہر نہ آئے۔ لوگوں کو

یقین ہو گیا کہ وہ ڈوب گئے ہیں۔ نواب دولت خاں نے غوطہ خور پانی میں اتارے، جال بھی پھینکے گئے مگر کچھ نہ ملا۔

تین دن کے بعد وہ منظر عام پر آئے۔ سکھ روایت کے مطابق اس دوران میں وہ خدا کے حضور رہے۔ بابا نانک دیو جی اس بارے میں کچھ نہ بولے بلکہ ان پر مذہب کا رنگ مزید گہرا ہوتا گیا۔

اس کے بعد ملازمت چھوڑ کر نانک جی لمبے سفر پر روانہ ہو گئے۔ یہ سلسلہ تین مختصر وقفوں کے ساتھ، 25 سال تک جاری رہا۔ پہلے سفر میں وہ بنگال، آسام اور اڑیسہ گئے اور راجستھان کے مذہبی مقامات کی زیارت بھی کی۔ بارہ سال کے بعد وہ واپس اپنے خاندان میں آ گئے۔ 1510ء میں وہ دوسرے سفر کے دوران سری لنکا گئے اور 1515ء میں واپس لوٹے۔ تیسرے سفر میں وہ کشمیر اور کوہ ہمالیہ کی پہاڑی ریاستوں میں پہنچے اور دو سال کے بعد اپنے وطن واپس لوٹے۔ ان کا چوتھا سفر خاصا طویل ہے۔ اس میں وہ سعودی عرب گئے اور واپسی پر عراق، ایران اور وسط ایشیا کی ریاستوں سے ہوتے ہوئے واپس آ کر حسن ابدال میں قیام پذیر ہوئے۔ 1521ء میں وہ واپس پنجاب آ گئے۔ اور کرتار پور کو اپنا مرکز بنایا اور کھیتی باڑی کا پیشہ اختیار کیا۔ ان کی زندگی کے آخری اٹھارہ سال یہیں بسر ہوئے۔ ان کے عقیدت مندوں کا حلقہ وسیع ہو چکا تھا۔ چنانچہ روزانہ صبح وشام کیرتن کی سنگت میں ان کا کلام پڑھا جاتا اور امیر غریب سب مل کر کھانا کھاتے۔ انھوں نے اپنے قریبی ساتھی گُرو انگد دیو جی کو جانشین مقرر کیا اور اس کے بیس دن بعد 22 ستمبر 1539ء کو بابا گرو نانک جی اپنے وقت پر اس دنیا سے جوتی جوت سمائے ان کی تعلیمات آج تک زندہ ہیں جن سے سکھ مذہب کے پیروکار ہمیشہ استفادہ کرتے رہیں گے۔

بابا گُرو نانک دیو جی کی تعلیمات

بابا گرو نانک دیو جی جس دور میں پیدا ہوئے اس دور میں برعظیم میں بھگتی تحریک زوروں پر تھی جس میں خدائے واحد کی عقیدت ومحبت سے عبادت کی جاتی تھی۔ دوسری طرف بارھویں صدی عیسوی کے اواخر سے شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم تھی اور اس کے تہذیبی اثرات مرتب ہو رہے تھے۔ اہل تصوف کے اپنے اثرات تھے۔ ایسے ماحول میں ہند کی ساری فضا میں مذہبی رجحانات غالب آ چکے تھے۔ بابا گرو نانک دیو جی نے بچپن میں ہندو اور مسلمان اساتذہ سے تعلیم پائی تھی۔ ان کا فطری رجحان بھی مذہب کی طرف تھا۔ اور وہ خدائے واحد کی حمد وثنا پر پوری توجہ دیتے تھے۔ اس لیے ان کی تعلیمات کی بنیاد توحید ہے۔ سلطان پور میں انھیں جو روحانی تجربہ حاصل ہوا تھا، اس کا پہلا اظہار انھوں نے شعر کی شکل میں کیا۔ یہ شعر جسے مُول منتر کہا جاتا ہے اسے سکھوں کی مذہبی کتاب گرو گرنتھ صاحب میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس شعر میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ خدا ایک ہے، اس کا نام سچ ہے، وہی فاعل مطلق ہے۔ اس کی کسی سے دشمنی نہیں ہے، وہ ازلی اور ابدی ہے۔ بے شکل وصورت ہے۔ قائم بالذات ہے۔

ان کے ہاں خدا کو یاد کرنے کے جو الفاظ ملتے ہیں ان میں ہندی کے بھی ہیں اور عربی کے بھی۔ بہر حال انھوں نے ذات حق ہی کی یاد پر زور دیا ہے۔

باباگرونانک دیوجی کی تعلیمات میں ظاہری قوانین کی اطاعت یا کسی شریعت کی پابندی کرنے پر زور نہیں دیا گیا لیکن خداتعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا اور اس کا نام بار بار جپنا ہی خدا تک پہنچنے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

مول منتر کے بعد جپ جی صاحب اہم نظم ہے۔ جس کے بارے میں سکھوں کا عقیدہ ہے کہ یہ خدا کی طرف سے باباجی کو اس وقت عنایت ہوئی، جب وہ اس کے حضور میں خود حاضر ہوئے۔ اس میں اسی بات کا ذکر ہے کہ سب کچھ خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔ تمام کائنات اُسی کے حکم کے تابع ہے۔ اگر انسان تقدیرِ الٰہی کو پہچان لے تو کبھی انانیت کے قریب نہیں جاتا۔ یہاں خدا تک پہنچنے کے لیے انانیت کو چھوڑنے پر زور دیا گیا ہے۔

باباگرونانک دیوجی نے ان نفسی بیماریوں کا بھی ذکر کیا ہے جو عشقِ الٰہی کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں مثلاً خواہشات، لالچ، دنیا سے تعلق اور غصہ وغیرہ۔ باباگرونانک جی نے اُن خوبیوں کا بھی ذکر کیا ہے جو عشقِ الٰہی میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ یہ ہیں ذکرِ الٰہی، نیک صحبت اور خدمتِ خلق۔

باباگرونانک دیوجی کی تعلیمات میں انکسار اور مخلوق سے محبت پر بھی زور دیا گیا ہے۔ وہ اس بات پر تاکید کرتے ہیں کہ ایمان داری سے روزی کمائی جائے اور خدا کو زیادہ سے زیادہ یاد کیا جائے۔ عشقِ الٰہی میں اس کی توفیق بھی شامل ہوتی ہے۔

باباگرونانک دیوجی کی تعلیمات میں ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ خدا کی ذات تک پہنچنے کے لیے گرو کی رہنمائی اور وسیلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ باباگرونانک دیوجی کے بعد دوسرے گروؤں نے بھی خدا تک پہنچنے کے لیے گرو کی اہمیت پر زور دیا ہے۔

باباگرونانک دیوجی کی تعلیمات میں ذات پات کی نفی کی گئی ہے اور یہ کہ پرلوک (آخرت) میں صرف اعلیٰ اعمال پوچھے جائیں گے۔ ان تعلیمات میں عورت کو برابری کا درجہ دیا گیا ہے اور ستی کی رسم کی سختی سے مخالفت کی گئی ہے۔ باباگرونانک دیوجی کی تعلیمات میں انسانی مساوات اور اخلاقیات پر زور دیا گیا ہے۔ جیسے وہ مول منتر میں فرماتے ہیں۔ تمام انسان برابر ہیں ذات پات، نسل اور رنگ روپ کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیں۔

1۔ باباگرونانک دیوجی کے حالاتِ زندگی لکھیں۔

2۔ باباگرونانک دیوجی کی تعلیمات کا جائزہ لیجیے۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ باباگرونانک دیوجی کب پیدا ہوئے؟

2۔ باباگرونانک دیوجی جس گاؤں میں پیدا ہوئے اس کا نیا نام کیا ہے؟

3۔ باباگرونانک دیوجی نے جنیو پہننے سے کیوں انکار کیا؟

4۔ باباگرونانک دیوجی نے باپ کی دی ہوئی رقم کہاں خرچ کی؟
5۔ باباگرونانک دیوجی نے کن علاقوں میں سفر کیے پانچ کے نام لکھیں۔

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ باباگرونانک دیوجی کے اسفار کا دورانیہ ____________ پر مشتمل ہے۔
(ا) 20سال (ب) 25سال
(ج) 27سال (د) 30سال

2۔ باباگرونانک دیوجی ____________ سفر میں کشمیر اور اڑیسہ گئے۔
(ا) پہلے (ب) دوسرے
(ج) تیسرے (ج) چوتھے

3۔ باباگرونانک دیوجی کرتار پورہ میں ____________ سال رہے۔
(ا) 15 (ب) 16
(ج) 17 (د) 18

4۔ باباگرونانک دیوجی اپنا جانشین مقرر کرنے کے.......... بعد جوتی جوت سمائے
(ا) ایک ماہ (ب) ایک سال
(ج) دس دن (د) بیس دن

5۔ مُول منتر میں ____________ پر زور ہے۔
(ا) خدا کی حمد وثنا (ب) خدا کی وحدانیت
(ج) سکھمت کے عقائد (د) خدمت خلق

(د) سرگرمیاں
1۔ پنجاب کے نقشے کی مدد سے ننکانہ صاحب کا محل وقوع دیکھیں۔
2۔ اپنے استاد/استانی سے پوچھ کر باباگرونانک دیوجی کے اقوال کا چارٹ بنائیں۔

(ہ) اساتذہ کے لیے ہدایات:
1۔ کسی بھی مستند کتاب سے باباگرونانک دیوجی کے سوانحی حالات کی تفصیل بتائی جائے۔
2۔ باباگرونانک دیوجی کے عہد کی دیگر مذہبی تحریکوں کے بارے میں طلبہ کو مختصراً بتائیے۔

❁❁❁

سکھ مذہب کے گُرو

گُرو سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی اندھیرے میں روشنی پھیلانے والے کے ہیں، گویا گُرو کسی فرد کے مَن سے جہالت کے اندھیرے دور کرتا ہے۔ عشق الٰہی کے حصول اور خدا تک پہنچنے کے لیے ایک رہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کی رہنمائی اور تعلیم ہی خدا تک رسائی کا وسیلہ بنتی ہے اس لیے سکھ مذہب میں گُرو کی ضرورت اور اہمیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ سکھ مذہب میں بابا گُرو نانک جی پہلے گُرو تھے۔ سکھ مذہب کے دیگر دس گرو مندرجہ ذیل ہیں۔

2- گُرو انگد دیو جی (لہنا بھائی)

گُرو انگد دیو جی 1504ء میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک درگاہ کے پجاری تھے اور ہر سال بھگتوں کا گروہ لے کر جوالا مکھی کے مقام پر دیوی کے مندر جایا کرتے تھے۔ وہاں ایک دفعہ وہ بابا گُرو نانک دیو جی کے پیروکار جودھا بھائی سے متاثر ہوئے اور اس کے بعد بابا گُرو نانک دیو جی سے ملاقات کی۔ اس وقت ان کی عمر 28 سال تھی پھر عمر بھر کے لیے وہیں کے ہو رہے۔ بابا گُرو نانک جی کے عہد میں انھوں نے لنگر کا کام سنبھال لیا تھا۔ بابا گُرو نانک دیو جی نے وفات سے بیس دن پہلے انھیں جانشین بنایا تھا۔ بابا گُرو نانک دیو جی کی بیوی نے اصرار کیا کہ بیٹے کو جانشین بنائیں لیکن بابا گُرو نانک دیو جی نے چند آزمائشوں میں ثابت قدمی دیکھ کر انگد دیو جی کو گُرو اور جانشین مقرر کر دیا۔ گُرو انگد دیو جی نے نہ صرف کیرتن اور لنگر کی روایت کو جاری رکھا بلکہ اس میں توسیع بھی کی۔

گُرو انگد دیو جی نے دو ایسے کام کیے جن سے سکھ جماعت کے نظم میں استحکام آیا۔ ایک یہ کہ انھوں نے گورمکھی رسم الخط ایجاد کیا اور دوسرا یہ کہ بابا گُرو نانک دیو جی کے ساتھی بھائی بالا سے ان کی سوانح عمری مرتب کرائی جس میں ان کی تعلیمات کا خلاصہ بھی شامل ہے۔ اسی طرح انھوں نے ادارہ سنگت قائم کیا، جہاں لوگ عبادت، دوستی اور بھائی چارے کے لیے مل بیٹھتے ہیں۔ یہی ادارہ آگے چل کر گُرودوارے کی بنیاد بنا۔

گُرو انگد دیو جی نے مساوات، رواداری اور احترام آدمیت کا رویہ اپنایا اور کسی مذہب پر تنقید نہ کی۔ ان کے 62 اشلوک گُرو گرنتھ صاحب میں شامل ہیں۔ وہ یکم اپریل 1552ء کو جوتی جوت سمائے۔ جوتی جوت سمانے سے ایک ہفتہ پہلے انھوں نے گُرو امرداس کو گُرو نامزد کیا۔

3- گُرو امرداس جی

گُرو امرداس جی 1479ء میں امرت سر کے قریب ایک گاؤں باسر کے میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق ایک کٹر مذہبی گھرانے سے تھا۔ وہ بابا گُرو نانک دیو جی کی ایک حمد سن کر متاثر ہوئے اور ان کے پیروکار بن گئے۔ ان کا بڑا کام سکھوں کو منظم کرنا ہے۔

گرو امرداس جی نے دوسرا اہم کام یہ کیا کہ شہنشاہ اکبر سے تعلقات بڑھا کر عوامی کام بلا تفریق مذہب وملت سرانجام دیے۔ مثلاً کبھی مال گزاری معاف کرادی کبھی ہندو تیرتھ پر ٹیکس معاف کرالیا۔ گوندوال میں باؤلی تعمیر کرادی۔ ان رفاہی کاموں کی وجہ سے انھیں مقبولیت حاصل ہوئی۔ انھوں نے گروگرنتھ صاحب میں مذہبی دعاؤں کا اضافہ کیا۔ گرو امرداس جی یکم ستمبر 1574ء کو جوتی جوت سمائے۔ جوتی جوت سمانے سے قبل انھوں نے گرو رام داس جی کو گرو نامزد کیا۔

4- گرو رام داس صاحب جی

گرو رام داس جی کا نام بھائی جیٹھا تھا۔ آپ لاہور میں 1534ء میں پیدا ہوئے۔ آپ 1574ء سے 1581ء تک گرو رہے۔ گرو رام داس جی سے قبل گرو امرداس جی نے مذہبی تہوار مناتے وقت انھیں ہندوؤں سے الگ کرلیا تھا۔ اب گرو رام داس جی نے شادی بیاہ اور مرنے کی رسومات الگ مقرر کردیں۔ ستی کی رسم کی بھی مخالفت کی۔

گرو رام داس جی نے امرت سر شہر بسایا اور وہاں تالاب (سرووَر) بنوایا۔ وہیں بعد میں گولڈن ٹمپل بنا اور سکھ گرو امرتسر میں رہنے لگے۔

انھوں نے بابا گرو نانک دیو جی کی تعلیمات کو عام کیا۔ آپ 28 ستمبر 1581ء کو فوت ہوئے۔

5- گرو اُرجن دیو جی

گولڈن ٹمپل

پانچویں گرو اُرجن دیو جی، گرو رام داس صاحب جی کے بیٹے تھے۔ آپ 15 ستمبر 1563ء کو گوئندوال میں پیدا ہوئے۔ انھیں 18 سال کی عمر میں گرو نامزد کیا گیا۔ گرو رام داس صاحب جی ان کے والد اور گرو امرداس صاحب جی ان کے نانا تھے۔ وہ اعلیٰ پائے کے شاعر اور لائق فائق انسان تھے۔ سکھ جماعت کو منظم کرنے میں ان کا کردار نمایاں رہا۔ بابا گرو نانک دیو جی نے اپنے سفروں کے دوران صوفیوں اور بھگتوں کا کلام اکٹھا کیا تھا۔ گرو اُرجن دیو جی نے بابا گرو نانک دیو جی اور ان کے بعد کے گروؤں کا کلام جمع کرکے گروگرنتھ صاحب کو آخری شکل دی۔ اب اسے سکھ مذہب میں گیارویں زندہ گروہ کی حیثیت حاصل ہے۔

گرو اُرجن دیو جی نے امرت سر تالاب (سرووَر) میں مرکزی عبادت گاہ "ہری مندر صاحب" تعمیر کرائی۔ اسے اب گولڈن ٹمپل کہتے ہیں۔ یہاں سکھ گروؤں کی رہائش گاہ بھی بنوائی۔ اس لیے اس جگہ کو "دربار صاحب" کا نام دیا گیا ہے۔ یاد رہے

کہ جہاں کوئی گرو رہائش پذیر ہوتا تھا یا کہیں بھی گرو گرنتھ صاحب کا پاٹھ ہوتا ہے اسے دربار صاحب کہا جاتا ہے۔

مالی طور پر تنظیم کو مضبوط بنانے کے لیے گرو ارجن دیو جی نے سکھوں کے لیے عشر (دسونتھ) متعارف کروایا۔ اس سے پہلے رفاہِ عامہ کے کام اور لنگر صرف نذرانوں سے چلتے تھے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ سکھوں کی رفاہی تنظیم معاشی طور پر مضبوط ہو گئی۔ گرو ارجن دیو جی نے دریائے راوی اور دریائے بیاس کے درمیان تین شہر بسائے، ترن تارن، کرتار پور اور ہر گوبند پور۔

جہانگیر شہنشاہ کے دور میں اس کا بیٹا خسرو باغی ہو کر پنجاب آ گیا اور گرو ارجن دیو جی سے مدد چاہی۔ گرو نے اس کی مالی مدد کی۔ لاہور کے گورنر چندو مل نے ایک سازش کے تحت گرو جی کو لاہور میں قید کر کے شہید کرا دیا۔ اس سے سکھوں اور مغلوں کے تعلقات خراب ہو گئے اور ان میں فاصلے بڑھتے گئے اور آگے چل کر یہ فاصلے زیادہ ہو گئے۔ گرو جی کو 16 مئی 1606ء کو شہید کیا گیا تھا۔ انھیں ''لاثانی شہید'' یا ''شہیدوں کا سرتاج'' بھی کہا جاتا ہے۔

6- گرو ہر گوبند سنگھ جی

گرو ہر گوبند سنگھ جی 19 جون 1595ء کو پیدا ہوئے۔ سکھ جماعت کے لیے یہ ایک مشکل دور تھا۔ مغل شہنشاہ مخالف تھا۔ گرو جی نے ظلم کے خلاف ہتھیار اُٹھائے۔ ان کی زندگی جنگی تیاریوں میں بسر ہوئی۔ انھوں نے تمام پیروکاروں کو ہر وقت چوکس رہنے کا حکم دیا۔ انھیں عمدہ نسل کے گھوڑے پالنے کا شوق تھا۔ انھوں نے پنجاب کے مغل گورنر کے خلاف جنگیں لڑیں۔ پانچ سال تک ان کے تعلقات مغل شہنشاہ جہانگیر سے خوشگوار بھی رہے۔ بعد میں انھیں گوالیار کے قلعہ میں بند کر دیا گیا۔ گرو ہر گوبند سنگھ جی 1645ء میں جوتی جوت سمائے۔

7- گرو ہر رائے صاحب جی

گرو ہر رائے صاحب جی 16 جنوری 1630ء کو پیدا ہوئے۔ تیرہ سال کی عمر میں ان کے دادا گرو ہر گوبند جی نے انہیں گرو نامزد کیا۔ مزاجاً وہ نرم خو اور صلح پسند انسان تھے۔ انھوں نے مُغلوں کے خلاف کوئی فوجی کارروائی نہ کی۔ البتہ دارا شکوہ کو بچانے میں اس کی مدد کی۔ انھیں شکست ہوئی۔ دہلی طلب کیے گئے اور وہیں 3 مئی 1644ء کو جوتی جوت سمائے۔

8- گرو کرِشن جی

گرو کرِشن صاحب جی 17 جولائی 1756ء کو پیدا ہوئے۔ انھیں پانچ سال کی عمر میں گرو نامزد کیا گیا۔ اس وقت راج دھانی دہلی میں چیچک کی وباء پھیلی ہوئی تھی اور روزانہ ہزاروں افراد مَر رہے تھے۔ گرو کرِشن صاحب جی کو خدائے برتر نے چیچک کے علاج کی صلاحیت عطا کر رکھی تھی۔ اس لیے انھوں نے دہلی میں بے شمار چیچک کے مریضوں کا علاج کیا۔ اہل دہلی تو چیچک کے مرض سے شفایاب ہوئے لیکن گرو جی چیچک کے مرض سے جوتی جوت سمائے۔ انھوں نے سات سال سات ماہ اور 23 دن عمر پائی۔

9- گرو تیغ بہادر جی

آپ 1621ء کو امرت سر میں پیدا ہوئے۔ آپ چھٹے گرو، گرو ہرگوبند جی کے بیٹے تھے۔ صوفی منش انسان تھے۔ وہ دس سال تک گرو رہے۔ اورنگ زیب کے عہد میں دہلی میں چاندنی چوک میں انہیں شہید کر دیا گیا۔ یہ المناک واقعہ تھا جس نے سکھ قوم کے جذبات میں ہلچل مچادی۔ ان کے بعد ان کا بیٹا گرو بنا۔

10- گرو گوبند سنگھ جی

گرو گوبند سنگھ صاحب اپنے والد کی شہادت کے بعد گرو بنے۔ انھوں نے سکھ مت میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ بقول ایک مصنف کے انھوں نے ''سکھ شریعت اور سکھ روایت کے مخصوص کردار کی تشکیل کا اہم کام سرانجام دیا''۔

وہ اچھے شاعر، گھڑسوار، ایک جرأت مند اور بہادر انسان تھے۔ ایک مثالی ہیرو کی خصوصیات ان میں پائی جاتی تھیں۔ انھوں نے بتیس سال تک ہمالیہ کے پہاڑی سلسلے میں اپنا ٹھکانہ بنائے رکھا اور مغل سلطنت سے بدلہ لینے کے لیے بھرپور تیاری کرتے رہے انھوں نے سکھوں کو فوجی تربیت دی اور سکھ قوم کو جنگجو بنادیا۔ انھوں نے انند پور میں ہزاروں عقیدت مندوں کو جمع کیا اور امرت چکھا کر خاص مرید بنائے جو ''خالصہ'' کہلائے۔ انھیں پہاڑی ریاستوں کے راجوں سے 19 جنگیں لڑنا پڑیں زندگی کے آخری سالوں میں وہ ایک مسلمان ریاست حیدر آباد دکن میں چلے گئے اور باقی زندگی وہیں گزاری۔

انھوں نے ہر سکھ کے نام کے ساتھ ''سنگھ''، اور عورت کے نام کے آخر میں لفظ ''کور'' کا اضافہ لازمی قرار دیا۔ انھوں نے سکھوں کے لیے پانچ چیزیں لازم قرار دیں۔ کچھا، کیس، کنگھا، کڑا اور کرپان۔

سکھ قومیت کے لیے ان کی خدمات کی وجہ سے آگے چل کر پنجاب میں سکھوں کو اقتدار ملا۔

اپنی جوتی جوت سمانے سے پہلے گدی گرو گرنتھ صاحب کو سونپ گئے تھے اور کہہ گئے تھے کہ اس کے بعد سکھ مذہب کے کوئی گرو نہ ہوں گے۔

گرو گرنتھ صاحب جی

گرو گرنتھ صاحب جی، سکھوں کی مقدس کتاب ہے۔ اسے گرو اس لیے کہا جاتا ہے کہ سکھوں کے دسویں گرو، گوبند سنگھ جی نے کسی سکھ کو گرو نامزد کرنے کی بجائے کہہ دیا تھا کہ آئندہ رہنمائی گرو گرنتھ صاحب سے حاصل کی جائے یہی آپ کے لیے گرو ہے۔ یہ سکھوں کے لیے اتنی ہی مقدس ہے جتنی یہودیوں کے لیے تورات، مسیحیوں کے لیے انجیل یا مسلمانوں کے لیے قرآن مجید ہے۔ اس میں بابا گرو نانک دیو جی کے علاوہ گرو انگد دیو جی، گرو امر داس جی، گرو رام داس جی اور گرو ارجن دیو جی کی بانیاں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور بھگت کبیر سمیت بہت سے صوفیا اور بھگتوں کا کلام بھی شامل کیا گیا ہے۔

گرو گرنتھ صاحب کو گورمکھی رسم الخط میں لکھا گیا ہے جس میں پنجابی، سندھی، مراٹھی، برج بھاشا، ہندی، سنسکرت، عربی،

فارسی، بنگالی اور تامل زبانوں کے الفاظ شامل ہیں۔ اس لیے اسے "زبانوں کا خزانہ" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ سکھ مذہب کے پیروکاروں کے لیے رہنما بھی ہے اور روحانی سرچشمہ بھی۔ سکھ اسے زندہ گرو شہنشاہ مانتے ہیں۔

مذہبی ہم آہنگی میں سکھ مذہب کا حصہ

سکھ مذہب کے بانی بابا گرو نانک دیو جی ایک مصلح تھے۔ وہ جس معاشرے میں پیدا ہوئے اس میں ہندومت اور اسلام دو ایسے مذاہب تھے جن کے پرچارک اور پیروکار سب سے زیادہ تھے۔ دونوں میں عقائد کا بڑا فرق تھا۔ ایک طرف دیوتا اور بت پرستی اور مورتیاں تھیں تو دوسری طرف خالصتاً توحید۔ چنانچہ یہ دو متوازی ندیوں کی طرح چلے جا رہے ہیں۔ شمالی ہند میں اگرچہ ایرانی، یونانی، کشن اور ہُن وغیرہ آئے مگر سب ہند کی تہذیب میں جذب ہو گئے۔ البتہ آٹھویں صدی عیسوی میں مسلمان آئے تو یہ جذب نہ ہو سکے۔ عربوں کے تہذیبی اثرات یہاں مرتب ہوئے۔ سندھی زبان عربی رسم الخط میں لکھی جانے لگی۔

بابا گرو نانک دیو جی کا خیال تھا کہ رام اور رحیم ایک ہی خدا کے دو نام ہیں چنانچہ بابا گرو نانک دیو جی نے یہ فاصلہ کم کرنے کی کوشش کی "نہ کوئی ہندو نہ کوئی مسلم" ان کا نعرہ تھا اور وہ کہتے ہیں کہ مختلف مذاہب، ایک حقیقت تک پہنچنے کے مختلف راستے ہیں۔ انھوں نے توحید یعنی خدا کی وحدانیت کا پرچار کیا۔ انسانی مساوات اور بھائی چارے کا درس دیا اور مذہب کو محض رسمی کارروائی نہ سمجھنے کی تلقین کی اور ذات پات کے خلاف انھوں نے آواز اٹھائی۔

اگرچہ ان کا تعلق ایک اعلیٰ ہندو ذات سے تھا مگر ان کی تعلیمات اسلام کی تعلیمات سے زیادہ قریب دکھائی دیتی ہیں بلکہ برعظیم میں سکھ مذہب اسلام کے قریب تر ہے۔

انھوں نے ہندومت، اسلام، بدھ مت اور دیگر مذاہب سے چیدہ چیدہ تعلیمات لے کر ایک درمیانی راہ بنانے کی کوشش کی۔ جو اس خطے میں مذہبی ہم آہنگی کی طرف ایک اہم قدم ہے۔

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیں۔

1۔ گرو انگد دیو جی کے حالات اور خدمات کا حال لکھیں۔
2۔ گرو ارجن دیو جی کے حالات تفصیل سے لکھیں۔
3۔ گرو گوبند سنگھ جی نے سکھ مذہب کے لیے کیا کیا خدمات سرانجام دیں۔
4۔ گرو گرنتھ صاحب پر نوٹ لکھیں۔
5۔ گرو گوبند جی پر نوٹ لکھیں۔
6۔ سکھ مذہب نے مذہبی ہم آہنگی میں کیا کردار ادا کیا؟

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ گرو کے لفظی معنی کیا ہیں؟

2۔ گرو انگد دیو جی سکھ مذہب اختیار کرنے سے پہلے کیا تھے؟

3۔ گرو امر داس، بابا گرو نانک دیو جی سے کیوں متاثر ہوئے؟

4۔ گرو رام داس صاحب جی نے کس شہر کی بنیاد رکھی؟

5۔ کس گرو نے گرو گرنتھ صاحب کو آخری شکل دی؟

6۔ کس گرو جی کو قلعہ گوالیار میں بند رکھا گیا؟

7۔ کس گرو کو صرف پانچ سال کی عمر میں گرو نامزد کیا گیا؟

8۔ گرو گوبند سنگھ جی نے سکھوں کو فوجی تربیت کیوں دی؟

9۔ گرو گوبند سنگھ جی نے جن پانچ چیزوں کو سکھوں کے لیے لازم قرار دیا ان کے نام لکھیں۔

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ گرو کے لفظی معنی .... کے ہیں

(ا) رہنما اور رہبر (ب) رسائی کا ذریعہ

(ج) روشنی پھیلانے والا (د) نجات دلانے والا

2۔ گرو انگد دیو جی کے اقدامات سے

(ا) کیرتن اور لنگر کا نظام بہتر ہوا (ب) ادارہ سنگت مضبوط ہوا

(ج) سکھ جماعت کے نظم میں استحکام آیا (د) دوستی اور بھائی چارے کو تقویت ملی

3۔ گرو امر داس صاحب کی بڑی کامیابی کا سبب

(ا) گرو گرنتھ صاحب میں دعاؤں کا اضافہ (ب) سرکار سے تعلقات

(ج) جماعت کے نظم کی طرف توجہ (د) بلا تفریق مذہب رفاہی کام کرانا

4۔ مالی طور پر سکھ جماعت کو .... نے مضبوط کیا

(ا) گرو رام داس جی (ب) گرو ہر گوبند جی

(ج) گرو ارجن دیو جی (د) گرو امر داس جی

(د) صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ گُرو گوبند سنگھ جی کا نمبر ترتیب کے لحاظ سے پانچواں ہے۔

2۔ گُرو ہر رائے صاحب کو اُن کے دادا نے گُرو نامزد کیا۔

3۔ کیس کا مطلب بال بڑھانے سے ہے۔

4۔ گُرو کرِشن دیو جی چیچک کی بیماری سے جوتی جوت سمائے۔

5۔ گُرو گرنتھ صاحب بابا گُرو نانک دیو جی کی تصنیف ہے۔

(ہ) سرگرمیاں

1۔ سکھ مت کے تمام گُرو صاحبان کے زمانی ترتیب سے نام، عہد (از......تا) اور خاص خاص باتیں کے عنوانات کے تحت تفاصیل درج کر کے چارٹ مرتب کریں اور کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ کو گُرو صاحبان کے بارے میں مزید بتائیں کہ مذہبی اور سیاسی لحاظ سے ان کو کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی۔

باب 3

پاکستان میں مذہبی تہوار

کرسمس (عیدولادت المسیح)

مسیحیت میں سب سے اہم تہوار کرسمس کہلاتا ہے۔ جو یسوع مسیح کی ولادت کی خوشی میں دنیا بھر میں مذہبی عقیدت اور احترام سے منایا جاتا ہے۔ کرسمس کی تقریبات کرسمس کے تہوار سے بہت پہلے شروع ہو جاتی ہیں چار ہفتے پہلے گرجا گھروں میں خصوصی عبادات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ولادت مسیح کے حوالے سے گیت گائے جاتے ہیں اور یسوع مسیح کی ولادت کا واقعہ بائبل مقدس سے پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔

کرسمس کے موقع پر کرسمس کارڈ بھی دوستوں، عزیزوں اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو بھی بھیجے جاتے ہیں یہ روایت مدتوں سے جاری ہے۔ گرجا گھروں کے ساتھ متصل عمارات میں یسوع مسیح کی ولادت پر ڈرامے اور دوسری تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔ یہ تقریبات 25/ دسمبر سے چند دن پہلے شروع ہو جاتی ہیں اور چھ جنوری تک جاری رہتی ہیں۔ ان سرگرمیوں کا نقطہ عروج 25 دسمبر ہوتا ہے۔

کرسمس کا درخت

یسوع مسیح 25 دسمبر کو پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی ولادت کا واقعہ انجیل لوقا میں ان الفاظ میں مذکور ہے۔ ان دنوں میں یوں ہوا کہ اوغطس قیصر کی طرف سے فرمان نکلا کہ ساری آبادی کے لوگوں کے نام لکھے جائیں (یہ پہلی اسم نویسی ہوئی جب کیرنیس سُریا کا حکم تھا) تب سب لوگ اپنے اپنے شہر کو نام لکھانے گئے اور یوسف بھی جلیل کے شہر ناصرت سے یہودیہ میں داؤد کے شہر کو گیا جو بیت اللحم کہلاتا ہے، تا کہ اپنی منکوحہ مریم کے ساتھ جو حاملہ تھی نام لکھائے اور جب وہ وہاں تھے، تو اُس کے وضع حمل کا وقت آپہنچا اور اس کا پہلوٹھا بیٹا پیدا ہوا اور اس نے اُسے کپڑے میں لپیٹ کر چرنی میں رکھا، کیونکہ ان کے لیے سرائے میں

جگہ نہ تھی۔

کرسمس کے موقع پر کیک، مٹھائیاں اور مختلف پکوان بھی تیار کیے جاتے ہیں۔ دعوتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ عموماً کرسمس سے دو دن پہلے ہر گھر میں کرسمس کا درخت سجایا جاتا ہے۔ اس کی ابتدا عہد وسطیٰ میں جرمنی میں ہوئی۔ اس مصنوعی درخت کو رنگا رنگ قمقموں سے روشن کیا جاتا ہے اور مختلف گھنٹیاں بھی لگائی جاتی ہیں۔ دوستوں اور عزیزوں سے دیے جانے والے تحائف اسی درخت کے نیچے سجا دیے جاتے ہیں اور 25 دسمبر کو انھیں کھولا جاتا ہے۔ اسی روز دعوتیں بھی کی جاتی ہیں۔ اور چوبیس دسمبر کی رات کو گرجا گھروں میں خصوصی عبادات کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

پاکستان میں بھی کرسمس پورے تقدس اور احترام سے منایا جاتا ہے۔ مسیحی اپنی خصوصی عبادات کرتے ہیں۔ تحائف کا تبادلہ کرتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں۔ 25 دسمبر کو عام تعطیل ہوتی ہے اور وہ کرسمس کی خوشیوں میں دیگر ہم وطنوں کو بھی شریک کرتے ہیں۔ ایک اور اچھی بات یہ ہے کہ مسیحی برداری غریبوں اور مسکینوں کا بھی خیال رکھتی ہے، ان کی مدد کرتی ہے اور انھیں اپنی خوشیوں میں شریک کرتی ہے۔

عیدُ الفطر

عید الفطر مسلمانوں کا ایک اہم مذہبی تہوار ہے۔ اسے چھوٹی یا میٹھی عید بھی کہتے ہیں۔ مسلمانوں پر سال میں ایک ماہ کے روزے رکھنا فرض ہے۔ چنانچہ اسلامی سال کے نویں مہینے رمضان المبارک میں روزے رکھے جاتے ہیں اور اس اہم فریضے کی ادائیگی پر یکم شوال کو عید منائی جاتی ہے۔ جسے "عید الفطر" کہتے ہیں۔ یہ تہوار چودہ صدیوں سے جاری ہے اور اب بھی عید کا چاند نظر آتے ہی ساری اسلامی دنیا میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ کیونکہ "عید" خوشیاں منانے کا دوسرا نام ہے۔

عید، سالگرہ یا یوم آزادی کی طرح کا دن نہیں، بلکہ اس کا پس منظر روحانی ہے۔ ایک مقدس فرض کی تکمیل پر جو روحانی خوشی ہوتی ہے۔ یہ اسی خوشی کے اظہار کا تہوار ہے۔ اس کی ابتدا عید کا چاند دیکھنے سے ہوتی ہے۔ اگرچہ اب خبروں کے جدید ذرائع نے بڑی سہولت پیدا کر دی ہے اور چاند نظر آنے کی اطلاع ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے مل جاتی ہے، مگر عید کا چاند دیکھنے کا اب بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ انتیس رمضان کو روزہ افطار کرنے کے بعد چھوٹے بڑے سب اونچی جگہوں پر کھڑے ہو کر چاند دیکھنے کی کوشش

کرتے ہیں، اور چاند نظر آ جائے، تو خوشی سے نعرے لگاتے ہیں۔ بچے تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔

عید کی تیاریاں کئی دن پہلے شروع ہو جاتی ہیں۔ چھوٹے بڑے سب نئے کپڑے سلواتے اور جوتے خریدتے ہیں۔ عورتیں اور لڑکیاں چوڑیاں، زیورات اور بناؤ سنگھار کی چیزیں خریدتی ہیں۔ رشتے داروں اور دوستوں کو عید کارڈ بھیجے جاتے ہیں۔ چاند رات کو دکانوں پر رش بڑھ جاتا ہے۔ خواتین رات دیر تک جاگ کر ہاتھوں پر مہندی رچاتی ہیں۔ گھروں میں، عموماً خواتین آدھی رات ہی کو سوّیاں یا میٹھے پکوان تیار کر کے رکھ دیتی ہیں۔

مسلمان عید کے دن صبح اٹھ کر نماز ادا کرتے ہیں پھر نہا دھو کر نئے کپڑے اور جوتے پہنتے ہیں، خوشبو لگاتے ہیں اور کوئی میٹھی چیز کھاتے ہیں۔ پاکستان میں عموماً سوّیاں پکائی جاتی ہیں، حلوہ اور کھیر کا رواج بھی ہے۔ یہ میٹھے پکوان رشتہ داروں، ہمسایوں اور محلے میں بھی تقسیم کیے جاتے ہیں۔ اب مرد حضرات عید کی نماز کے لیے عید گاہ چلے جاتے ہیں۔ اس موقعے پر بچے بھی ساتھ جاتے ہیں۔ جبکہ خواتین اپنے گھر پر یا محلے میں نمازِ عید ادا کرتی ہیں۔

نمازِ عید مسلمانوں کی اجتماعیت کی علامت ہے۔ اس لیے عموماً عید گاہوں اور کھلے میدانوں میں پڑھی جاتی ہے۔ اگر کھلی جگہ میسر نہ ہو تو مساجد میں بھی ادا کی جاتی ہے۔ عید کی نماز ادا کرنے کے بعد ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں۔ ہزاروں لوگ جب ایک دوسرے سے گلے مل رہے ہوتے ہیں تو یہ منظر بڑا دلکش معلوم ہوتا ہے۔ اس سے یک جہتی کا اظہار ہوتا ہے اور کدورتیں دُور اور باہمی تعلقات خوش گوار ہوتے ہیں۔ گلے ملنا اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

عید مذہبی فریضے کی تکمیل اور خوشیوں بھرے اوقات کے ساتھ ساتھ ایک سماجی تقریب بھی ہے۔ عید کی نماز سے واپس آ کر لوگ بزرگوں کو عید ملنے کے لیے ان کے گھروں میں جاتے ہیں۔ دن بھر اور شام کو خصوصی دعوتوں کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔ گھروں سے دور ملازمت یا کاروبار کرنے والے افراد بھی اس موقع پر گھر آ جاتے ہیں۔ چنانچہ خوشیوں کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ گھروں میں سارا دن ملاقاتوں، معانقوں اور مہمانوں کی تواضع کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

عید کی خوشیاں مسلمانوں تک محدود نہیں رہتیں۔ بلکہ مسلمان ان خوشیوں میں اپنے دیگر ہم وطنوں کو بھی شریک کرتے ہیں۔ انہیں عید کارڈ بھیجتے ہیں۔ اُن میں مٹھائیاں اور تحائف بانٹتے ہیں اور عید کی دعوتوں اور محفلوں میں بھی انہیں بلاتے اور شریک کرتے ہیں۔

اس خوشیوں بھرے موقع پر اسلام نے غریبوں اور ناداروں کی مدد کا اہتمام بھی کیا ہے۔ خاندان کا سربراہ اپنے زیرِ کفالت افراد کا فطرانہ غریبوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اسلام نے اس کی شرح مقرر کر رکھی ہے۔ یہ فطرانہ عید کی نماز سے پہلے غریبوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کرنا ضروری ہے تاکہ وہ بھی خوشیوں کا اہتمام کر سکیں۔ اس طرح عید کے موقع پر غرباء سے ہمدردی کا جذبہ پروان چڑھتا ہے اور امیر و غریب عید کی خوشیاں یکساں طور پر مناتے ہیں۔

بابا گرونانک دیو جی کا جنم دن

انسان سدا سے خوشیوں اور میلوں ٹھیلوں کا شوقین رہا ہے۔ وہ خوش ہونے اور خوشی کے اظہار کے مواقع ڈھونڈتا رہتا ہے۔ بہت سے خاندانوں میں پیدائش کی سالگرہ منائی جاتی ہے۔ شادی کی سالگرہ کی تقریب کے بعد میاں بیوی ایک دوسرے کو تحفے دیتے ہیں۔ تمام قومیں بھی اپنے اہم دن دھوم دھام سے مناتی ہیں جیسے پاکستان میں 23 مارچ یا 14 اگست۔ دنیا بھر میں بہار کی آمد کے ساتھ رنگا رنگ تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔ بعض ممالک میں فصلوں کی کٹائی کے بعد میلے شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح مذہبی تہوار بھی شان و شوکت اور عقیدت و احترام سے منائے جاتے ہیں۔

مذہبی تہوار عالمی سطح پر منائے جاتے ہیں اور دنیا بھر میں جہاں بھی اس مذہب کے ماننے والے موجود ہوں، وہاں یکساں مذہبی جوش و جذبے اور عقیدت و احترام سے خوشیوں کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ان مذہبی تقریبات میں دنیا بھر میں خوشیاں منانے کا انداز ایک جیسا ہوتا ہے۔ البتہ کھانے مختلف ہوتے ہیں۔ مسلمان عیدُ الفطر اور عیدُ الاضحیٰ مناتے ہیں۔ مسیحی دنیا میں کرسمس اور ایسٹر اور ہندومت کے ماننے والے دیوالی اور دسہرہ کے تہواروں کے مواقع پر خوشیاں مناتے ہیں۔ مذہبی تہواروں اور تقریبات میں خوشی کے ساتھ احترام اور تقدس کا پہلو بھی نمایاں ہوتا ہے۔

سکھ، اپنے مذہب کے بانی بابا گرونانک دیو جی کا جنم دیہاڑہ بڑی عقیدت و احترام اور دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ بابا گرونانک دیو جی کاتک مہینے میں پُورنماشی (پورے چاند) کی رات رائے بوھے کی تلونڈی میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ گاؤں لاہور سے 90 کلومیٹر جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اسے اب ننکانہ صاحب کہتے ہیں۔ سالگرہ کی تقریبات مذہبی نوعیت کی ہوتی ہیں اس لیے ان کا انداز میلوں ٹھیلوں جیسا نہیں ہوتا بلکہ ان میں 48 گھنٹے گروگرنتھ صاحب جی کا مسلسل پاٹھ کیا جاتا ہے۔ جسے "اکھنڈ پاٹ" کہتے ہیں۔

چاند کی بارھویں رات گروگرنتھ صاحب جی کا اکھنڈ پاٹ رکھا جاتا ہے۔ چاند کی تیرھویں کو آدھا گروگرنتھ صاحب پڑھا جاتا ہے۔ گروگرنتھ صاحب اگرچہ ایک مذہبی کتاب ہے لیکن سکھ مذہب میں اسے زندہ گرو کا درجہ حاصل ہے۔ اس سچے بادشاہ کی

پوری تعظیم کی جاتی ہے۔ چاند کی چودھویں رات کو بارہ بجے گرو گرنتھ صاحب کا بھوگ (ختم) کیا جاتا ہے۔ پھر اسے پورے آداب اور احترام کے ساتھ آرام گاہ میں لے جایا جاتا ہے۔

اکھنڈ پاٹ کی تقریب میں کھانے پکائے جاتے ہیں اور سب مل کر کھاتے ہیں اور مذہب وملت کے امتیاز کے بغیر سب لوگ پرشاد (تبرک) کھاتے ہیں۔ بابا گرونانک دیو جی کی تقریب سالگرہ کے موقع پر خوشی کے اظہار کے لیے آتش بازی بھی کی جاتی ہے۔ سالگرہ کے موقع پر تقریب میں شریک ہونے والوں کو سکھ مذہب کی ابتدا، پھلنے پھولنے اور تعلیمات کے بارے میں مصدقہ معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیے۔

1۔ مسیحی دنیا میں کرسمس کی تقریبات کیسے منعقد کی جاتی ہیں؟

2۔ مسلمان دنیا میں عیدالفطر کیسے منائی جاتی ہے؟

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ کرسمس کے موقع پر پاکستان میں کون سے پکوان پکائے جاتے ہیں؟

2۔ کرسمس کے موقع پر لوگ خریداری پر کیوں زور دیتے ہیں؟

3۔ عیدالفطر کو میٹھی عید کیوں کہا جاتا ہے؟

4۔ بابا گرونانک دیو جی کی سالگرہ کس تاریخ کو منائی جاتی ہے؟

5۔ بابا گرونانک دیو جی کی سالگرہ کی تقریبات کتنے دن جاری رہتی ہیں؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ کرسمس مسیحی برادری .... کر کے مناتی ہے

(ا) خوشیوں کا اظہار (ب) تحائف کا تبادلہ

(ج) عبادات (د) خوشیوں اور عبادات کا اظہار

2۔ کرسمس کے درخت کو

(ا) رنگا رنگ قمقموں سے سجایا جاتا ہے (ب) گھنٹیاں لگائی جاتی ہیں

(ج) اس کے نیچے تحائف رکھے جاتے ہیں (د) الف، ب اور ج

3۔ نماز عید مسلمانوں کے لیے

(ا) خوشی کا پیغام ہے (ب) دوستوں، رشتے داروں سے ملنے کا ذریعہ ہے

(ج) اجتماعیت کی علامت ہے (د) یک جہتی کا سبب ہے

4۔ بابا گرونانک جی کا جنم دن

(ا) خوشیوں بھری تقریب ہے (ب) اس تقریب کی نوعیت مذہبی ہے

(ج) جوش جذبے اور خوشیوں کا ذریعہ ہے (د) عبادت کا دن ہے

(ہ) سرگرمیاں

1۔ ''ہم مذہبی تہوار کا دن کیسے گزارتے ہیں'' ہر طالب علم ایک صفحہ لکھے، دوسرے طلبہ کو سنانے کے بعد ان کی ایک فائل تیار کر کے جماعت میں ریکارڈ رکھا جائے۔

2۔ کرسمس اور عیدالفطر کے بارے میں جو تصاویر شائع ہوتی ہیں، اخبارات سے ان تصاویر کا البم بنایا جائے۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات

1۔ مختلف مذاہب کے مختلف تہواروں کے بارے میں طلبہ کو بتایا جائے۔ ان سے ان کی فہرست مرتب کروائی جائے۔

❁❁❁

باب
4

اخلاقی اقدار

بچہ ـــــ خاندان کی آنکھوں کا تارا

لکشمی اور نارائن خالہ زاد تھے اور دونوں اکلوتے۔ نارائن لکشمی سے تین سال بڑا تھا لیکن عمر کا یہ فرق کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ ہر دو گھروں میں یہ دونوں محبتوں کے مرکز تھے۔ دن رات ان دونوں کی معصوم حرکتوں کا ذکر ہوتا۔ والدین، دادا دادی اور نانا نانی ان کو دیکھ دیکھ کر جیتے۔ بڑے ہوئے تو دونوں ایک سکول میں پڑھے۔ کالج بھی اگرچہ ایک ہی تھا لیکن لکشمی جب داخل ہوئی تو نارائن ایف ایس سی کر کے فوج میں شامل ہو چکا تھا۔ اب دونوں بچے نہیں رہے تھے لیکن پھر بھی نہ صرف والدین بلکہ سارے خاندان کی آنکھوں کا تارا تھے۔ اگر خاندان میں کوئی رنجش پیدا ہوتی تو بچوں کو دیکھ کر ہر کوئی رنجش بھول جاتا تھا۔

لکشمی نے بی اے کا امتحان دیا تو خالہ نے اسے نارائن کے لیے مانگ لیا۔ نارائن اب کیپٹن تھا۔ بڑی دھوم دھام سے شادی ہوئی اور چند دن کے بعد دونوں کوئٹہ چلے گئے۔ نارائن کی پوسٹنگ وہیں تھی۔ ان کے چلے جانے سے دونوں گھروں میں ایک خلا سا پیدا ہو گیا۔ پہلے جہاں ان کی ضرورتوں کا خیال رکھا جاتا تھا۔ ان کی باتیں کی جاتی تھیں۔ وہاں اب ہر کوئی کھویا کھویا رہتا۔ کبھی کبھی رادھا، آپی سے بگڑ کر کہتی "تم نے میری لکشمی چھین لی ہے۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ شام کو کوئٹہ سے فون آتا تو دونوں بہنیں پھر شیر و شکر ہو جاتیں۔

وقت کو جیسے پَر لگ گئے، پتہ ہی نہ چلا اور پانچ سال گزر گئے۔ نارائن کی پوسٹنگ کھاریاں ہو گئی۔ وہ ایک ماہ کی چھٹی لے کر لاہور آ گیا۔ دیوالی بھی تھی اور والدین کا اصرار بھی۔ اگرچہ ان کی عدم موجودگی میں ان کی مائیں اداس رہتیں، اور ان کی اولاد

کے لیے دعائیں مانگنے کے علاوہ تشویش کا اظہار بھی کرتیں، مگر ان کے آجانے پر پھر سے خوشی لوٹ آئی۔ ماہ اپریل کا پہلا ہفتہ تھا اور وہ اس روز سیر کے لیے باغ جناح آئے۔ بہار اپنے جوبن پر تھی اور ہر طرف پھول ہی پھول تھے۔ دونوں پھولوں کی ایک کیاری کے قریب بنچ پر بیٹھ گئے۔ لکشمی نے خوب صورت پھولوں کی تعریف کی تو نارائن نے کہا، ''پھول کسے اچھے نہیں لگتے''۔ یہ جملہ دونوں کے ذہنوں پر گہرے اثرات چھوڑ گیا۔

شادی کی چھٹی سالگرہ معمول سے زیادہ خوشیاں لائی۔ لکشمی دو ماہ سے لاہور ہی میں تھی۔ خالہ نے خوشی خوشی نارائن کو بتایا ''مبارک ہو! بھگوان نے آپ کو چاند سا بیٹا عطا کیا ہے''۔ نارائن کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ ہفتہ بھر گھر میں جشن کا سا سماں رہا۔ اگرچہ لکشمی اور نارائن اب بھی سب کو پیارے تھے مگر اب راج کمار سب کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ راج کمار کی پیدائش سے پہلے ہی اس کی دادی اور نانی اماں نے ڈھیروں کپڑے اور کھلونے لا رکھے تھے۔ پھر ڈیڑھ دو ماہ کے بعد لکشمی اور نارائن ساری رونقیں سمیٹ کر کھاریاں چلے گئے۔ لاہور کے دونوں گھرانے اداس ہو گئے۔ اس کے بعد ان میں چھوٹے چھوٹے جھگڑے ہونے لگے۔ کبھی تلخیاں بڑھ جاتیں تو وہ لوگ کھاریاں چلے جاتے اور وہاں سب مل کر پھر نہال ہو جاتے۔

وقت اپنی رفتار سے چلتا ہے مگر ہم اُسے اپنی خواہشات کے پیمانے سے ماپتے ہیں۔ اب لکشمی اور نارائن مل بیٹھتے تو راج کمار کے سکول اور اس کے مستقبل کی باتیں کرتے۔ نارائن پہ کام کا بوجھ بڑھ جاتا یا لکشمی کی اکتاہٹ زیادہ ہو جاتی تو وہ خاموش خاموش رہتے۔ کبھی تو تلخی بھی ہو جاتی مگر راج کمار کا ایک ہی قہقہہ ان کی اداسی دور کر دیتا، تھکن ختم ہو جاتی اور ان کی کدورتیں بھی خوشی میں بدل جاتیں۔

آج پھر کسی بات پہ بحث ہوئی اور تلخی ہو گئی۔ لکشمی رات دیر تک سو نہ سکی۔ صبح اس کی آنکھ کھلی تو نارائن کے کام پر جانے میں پندرہ بیس منٹ باقی تھے۔ وہ جلدی سے باورچی خانہ کی طرف لپکی۔ ٹوسٹر سے توس نکال رہی تھی کہ اسے گاڑی سٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ اس نے باہر نکل کر دیکھا تو نارائن کی گاڑی گیٹ تک پہنچ چکی تھی۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں نارائن کو آواز دی مگر وہ سنی اَن سنی کر کے نکل گیا۔ لکشمی کی پلکیں آنسوؤں کا بوجھ نہ سہار سکیں اور وہ ناشتہ بھی نہ کر سکی۔ سہ پہر کو نارائن واپس آیا تو لکشمی بچے کو نہلا کر کپڑے بدل رہی تھی۔ نارائن نے بازو پھیلائے تو بچہ لپک کر اس کے بازوؤں میں آ گیا اور وہ نہال ہو گیا۔ لکشمی بھی مسکرا دی۔ راج کمار صلح کا پیام بر بن گیا تھا۔ نارائن اور لکشمی صبح کی تلخی کو فراموش کر چکے تھے۔

اب ہر سال یوں ہوتا کہ راج کمار کی سالگرہ پہ سارا خاندان اکٹھا ہوتا۔ کبھی لاہور میں اور کبھی کھاریاں میں۔ ہفتہ بھر خوشیوں کا میلا لگا رہتا۔ یہ سارا خاندان اس بچے کے صدقے واری جاتا۔ اسی کے متعلق باتیں ہوتیں۔ راج کمار گویا کہ اپنے خاندان کا مرکز و محور تھا۔ ہر کوئی اسے اٹھائے پھرتا، پھر وہ سکول داخل ہوا تو لکشمی چھٹی سے بہت پہلے اس کا انتظار کرنے لگتی۔ گرمیوں کی شاموں اور سردیوں کی طویل راتوں میں والدین کی باتوں کا مرکز راج کمار ہوتا۔ ہر وقت اسی کی ضرورتوں کا خیال رہتا۔

ایم بی اے کرنے کے بعد راج کمار مزید تعلیم کے لیے ناروے روانہ ہو رہا تھا۔ نارائن اور لکشمی کے کئی رشتے دار بھی

ہوائی اڈے پر آئے ہوئے تھے۔ شام سات بجے کی پرواز سے اُسے روانہ کر کے گھر لوٹے تو گھر کا رنگ ہی بدل چکا تھا۔ ہر طرف اداسی ہی اداسی تھی۔ وہ کھانا کھا کر کچھ دیر ٹی وی دیکھتے رہے اور پھر سو گئے۔ صبح بے دلی سے ناشتہ کیا۔ باہر دیکھا تو انھیں بنگلے میں لگے پھولوں کے رنگ پھیکے پھیکے لگے ان کی خوشبو بھی جاتی رہی تھی۔ اس صبح مالی گلدان میں پھول لگا گیا مگر وہ بھی بے رنگ دکھائی دیے۔ شام کو کھانے کی میز پر بیٹھے تو لکشمی نے راج کمار کے مستقبل کے بارے میں باتیں شروع کیں "میرا لعل آئے گا تو اس کا رشتہ..... چاندی دلہن" اور پھر لکشمی اپنی ہی بات پر ہنس دی۔ نارائن بھی قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ راج کمار کے ذکر نے ایک دفعہ پھر اداسی کو شکست دے دی تھی۔

بچے نہ صرف والدین کی آنکھوں کا تارا ہوتے ہیں بلکہ وہ خاندان کے سب افراد کو ایک لڑی میں پروئے رکھتے ہیں۔ یہ بچے ہی ہیں جو خاندان کے رشتے کو ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل کرتے رہتے ہیں۔

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیے۔

1۔ بچہ گھر میں کیا اہم کردار ادا کرتا ہے؟

2۔ بچہ کس طرح خاندان کو جوڑے رکھتا ہے؟

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ لکشمی اور نارائن کا کیا رشتہ تھا؟

2۔ راج کمار والدین کے لیے صلح کا پیغام کیسے بن گیا تھا؟

3۔ راج کمار مزید تعلیم کے لیے کہاں چلا گیا؟

4۔ لکشمی اور نارائن کی ناراضی کس بات پر ہوئی؟

5۔ راج کمار کے باہر جانے پر والدین کے خواب کیا تھے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ لکشمی اور نارائن والدین کی آنکھوں کا تارا تھے کیوں کہ

(ا) دونوں ذہین اور لائق تھے　　(ب) خوب صورت تھے

(ج) اپنے اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے　　(د) کامیاب زندگی گزار رہے تھے

2۔ "پھول کسے اچھے نہیں لگتے" میں پھول سے نارائن کی مراد ________ تھے۔

(ا) کیاری میں لگے ہوئے پھول　　(ب) اپنے بچے

(ج) جیون ساتھی　　(د) قوم کے بچے

3۔ ہر سال ایک موقع ایسا آتا تھا جب سارا خاندان یک جا ہوتا

(ا) لکشمی اور نارائن کی شادی کی سالگرہ پر (ب) راج کمار کے جنم دن پر

(ج) دیوالی کے دن (د) میلہ چراغاں کے تیسرے دن

4۔ لکشمی کو سارے پھول بے رنگ لگے کیوں کہ

(ا) نارائن صاحب ناراض تھے (ب) تیز دھوپ سے پھولوں کی رنگت جاتی رہی

(ج) راج کماران سے دور چلا گیا تھا (د) لکشمی کی طبیعت میں اکتاہٹ تھی

(د) کالم (الف) کا ربط کالم (ب) سے کیجیے اور جواب کالم (ج) میں لکھیے۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
بچہ بچے کی پیدائش سالگرہ پر ایم بی اے دل کی ویرانی	جشن کا سماں خاندان اکٹھا ہوتا پھول بے رنگ دیوالی ناروے آنکھ کا تارا	

(ہ) سرگرمیاں

1۔ کسی بڑی شخصیت (مثلاً قائداعظم) کی بچپن، جوانی اور بڑھاپے کی تصاویر کا زمانی ترتیب سے البم تیار کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ خاندان میں بچے کی اہمیت پر طلبہ کی معلومات میں اضافہ کریں۔

❁❁❁

گھر کی سانجھ

ہمارا سکول شہر کے چوٹی کے چند اداروں میں شمار ہوتا ہے۔ گو پہلے بھی بہت سے بچے وظیفہ لیتے تھے اور کھیلوں میں بھی اس کی پوزیشن قابلِ ذکر رہتی تھی۔ اچھی عمارت، کھیل کا میدان، اساتذہ سب کچھ تھا، مگر چارلس صاحب کے آتے ہی ادارے کی کایا پلٹ گئی۔ انھوں نے بچوں کی تربیت کی طرف خاص توجہ دینا شروع کی۔ اساتذہ پر انھوں نے زور دیا کہ بچوں کی کردار سازی اور خوش اخلاقی ہمارا اوّلین مقصد ہونا چاہیے۔

حسبِ معمول تعلیمی سلسلہ بڑے ذوق وشوق سے جاری ہے۔ نظم وضبط کا خیال رکھا جاتا ہے اور وقت کی پابندی پر زور دیا جاتا ہے، مگر ایک بات اور ہوئی ہے کہ پرنسپل صاحب ہر ماہ کسی ماہرِ تعلیم یا کسی سماجی شخصیت کو دعوت دیتے ہیں۔ جو مقررہ موضوع پر گفتگو کرتی ہے۔ لیکچر کے بعد سوال وجواب کا سلسلہ چلتا ہے اور یہ پروگرام ادارے کا سب سے زیادہ مقبول اور مفید پروگرام بن گیا ہے۔ اس ماہ پروفیسر شہلا صاحبہ کا لیکچر سننے کے بعد ہم پر واضح ہوا کہ تعلیم وتربیت میں ہماری بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں۔

پروفیسر صاحبہ نے مائک سنبھالا اور کہنے لگیں کہ بچے والدین کو بے حد عزیز ہوتے ہیں۔ ان کی ذرا سی تکلیف پر والدین تڑپ اٹھتے ہیں۔ خصوصاً مائیں تو اپنی ساری زندگی بچوں کی تربیت کے لیے وقف کر دیتی ہیں۔ بچو! آپ چھوٹے ہوتے ہیں تو آپ کے سکھ کے لیے دن رات ایک کیے رہتی ہیں۔ اب بھی آپ میں سے اکثر کو صبح ناشتہ تیار ملتا ہے۔ کپڑے استری کیے رکھے ہوتے ہیں۔ آپ سکول سے واپس جاتے ہیں تو ماں اگرچہ گھر کے کام کاج سے تھک چکی ہوتی ہے لیکن پھر بھی صدقے واری جاتی ہے۔ مسکرا کر استقبال کرتی ہے۔ گرم کھانا لا کر دیتی ہے اور سو سو ناز اُٹھاتی ہے۔ اسی طرح آپ کے والد صاحب بھی آپ کی ضرورتوں کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں۔

میڈم شہلا ذرا رکیں اور پھر کہنے لگیں۔ بچوں کی بھی کچھ ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ ذرا سوچیں گھر بے شک ماں کی سلطنت ہوتا ہے۔ بادشاہ سلامت اس گھر کے اخراجات کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں بڑے گھرانوں میں نوکر چاکر ہوتے ہیں مگر اکثر گھروں میں ایسا نہیں ہوتا۔ پھر وہ خود ہی کہنے لگیں ہمیں گھر کے کام کاج میں والدین کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔

زندگی کا تجربہ بڑے کام کی چیز ہے۔ میں تین سال یورپ میں رہی ہوں۔ ان کے ہاں اپنے کام خود اپنے ہاتھ سے

کرنے کا رواج ہے۔ کپڑے دھونا، استری کرنا، جوتے پالش کرنا، کمرے کی صفائی وغیرہ ہر ایک کی اپنی ذمہ داری ہوتی ہے۔ گھر میں میاں بیوی کی مدد کر رہا ہے۔ ہر آدمی اپنا بوجھ خود اٹھاتا ہے۔ اگر ہم اپنے کام خود کر لیں تو یہ گھر والوں کی بڑی مدد ہے۔ ان کا بہت سا بوجھ کم ہو جاتا ہے۔ اب میں آپ کو بتاتی ہوں کہ ہم کیا کریں اور کیسے کریں؟ پروفیسر شہلا کہنے لگیں:

"صبح اٹھیں تو پہلے اپنا بستر جھاڑ کر درست کریں۔ سردیاں ہوں تو کمبل یا رضائی تہہ کر کے رکھ دیں۔ کپڑے خود استری کر لیں۔ لڑکیاں باورچی خانے میں والدہ کا ہاتھ بٹائیں۔ لڑکے برتن ٹیبل پر لگا سکتے ہیں۔ لڑکیاں سکول سے واپس آ کر کھانے پکانے میں ماں کی مدد کر سکتی ہیں۔ برتن دھو دیں۔ لڑکے گھر کا سودا لا دیں۔ کبھی کبھی ہفتہ وار گھر کی جھاڑ پونچھ میں بھی ماں کا ہاتھ بٹائیں۔ اس طرح ہم گھر والوں کی مدد کر سکتے ہیں۔"

مہمان خانے میں مہمانوں اور مردوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ لڑکے اسے درست حالت میں رکھیں۔ کبھی قالین کو صاف کر لیں۔ بڑے، بہن بھائی چھوٹوں کی پڑھائی میں ان کی مدد کریں، ہمیں گھر کو مل جل کر چلانا چاہیے۔

پروفیسر صاحبہ نے اپنی بات ختم کی تو ہم نے محسوس کیا کہ گھر میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانا بہت ضروری ہے۔ پہلے تو ہم نے ایسا کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ اب ہم نے پختہ ارادہ کر لیا کہ آئندہ ماں کی مدد کریں گے اور چھوٹے بہن بھائیوں کی ضرورتوں کا خیال رکھیں گے۔

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیں۔

1۔ ہم گھر میں والدین کا ہاتھ کیسے بٹائیں؟

2۔ بھائی بہن ایک دوسرے کی مدد کیسے کر سکتے ہیں؟

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ چارلس صاحب نے سکول میں کون سی نئی روایت قائم کی ہے؟

2۔ اس ماہ مہمانِ خصوصی کون تھا؟

3۔ آج کے لیکچر کا موضوع کیا تھا؟

4۔ لڑکیاں باورچی خانہ میں ماں کی کیا مدد کر سکتی ہیں؟

5۔ لڑکے گھر کے کاموں میں والدین کا ہاتھ کیسے بٹا سکتے ہیں؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ چارلس صاحب کی سربراہی کی نمایاں خوبی ہے

(ا) کھیلوں میں دلچسپی (ب) خوش گوار رویّہ

(ج) تعلیمی میدان میں پیش رفت (د) بچوں کی تربیت

2۔ پرنسپل صاحب نے بچوں کو ذمہ داریوں کا احساس دلایا

(ا) نظم وضبط قائم کر کے (ب) وقت کی پابندی پر زور دے کر

(ج) کسی اہم شخصیت سے لیکچر دلا کر (د) خود نمونہ پیش کر کے

3۔ لڑکیوں کی گھر میں اہم ذمہ داری.................... ہے

(ا) کمبل یا رضائی تہہ کر دینا (ب) باورچی خانے میں ماں کی مدد کرنا

(ج) بستر جھاڑ دینا (د) کپڑے استری کرنا

4۔ لڑکوں کی اہم ذمہ داری ہے

(ا) مہمان خانے میں قالین صاف کرنا (ب) صوفے اور کرسیوں کو صاف رکھنا

(ج) کھانے کی میز پر برتن لگا دینا (د) مہمان خانے کو مکمل طور پر درست حالت میں رکھنا

(د) خالی جگہ پُر کیجیے۔

1۔ ہمارے سکول کا شمار شہر کے.................... کے اداروں میں ہوتا ہے۔

2۔ پرنسپل ہر ماہ کسی ماہرِ تعلیم یا.................... کو لیکچر کی دعوت دیتے ہیں۔

3۔ ہمیں گھر کے کام کاج میں والدین کا.................... چاہیے۔

4۔ والد گھر کے اخراجات.................... کرتے ہیں۔

5۔ کمبل یا رضائی کو.................... کر کے رکھ دیں۔

(ہ) سرگرمیاں

1۔ ہم گھر والوں کی مدد کیسے کر سکتے ہیں۔ طلبہ جماعت میں دیگر طلبہ کی آرا اکٹھی کریں اور مشترک نکات نکال کر خوش خط لکھیں اور چارٹ بنا کر آویزاں کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ طلبہ سے باری باری دریافت کریں کہ وہ گھر والوں کی کیسے مدد کرتے ہیں؟

❁❁❁

برابری

کل 8 مارچ تھی۔ دنیا بھر میں خواتین کا عالمی دن منایا گیا۔ مختلف جگہوں پر تقاریب منعقد ہوئیں، جن میں عورتوں کے حقوق کے بارے میں تقاریر ہوئیں اور اس موضوع پر اخبارات نے خصوصی شمارے شائع کیے۔ عورتوں کو بہت سے حقوق مل چکے ہیں اور جو ابھی نہیں ملے ان کے لیے کوششیں جاری ہیں۔ گذشتہ صدی کے شروع میں پوری دنیا میں کہیں بھی عورتوں کو ووٹ کا حق حاصل نہیں تھا۔ اب عورت وزیر اعظم ہے، صدر ہے، پائیلٹ بن کر جہاز بھی اُڑا رہی ہے اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی پیش پیش ہے۔

ہر کسی کو اس کا حق ملنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں اور مردوں کو بہت سی صلاحیتیں دی ہیں۔ عورت گھر کی سلطنت کی مالکہ ہے۔ پیار، محبت، ایثار اس کی خاص خوبیاں ہیں۔ بچوں کی تربیت کا انحصار اسی پر ہوتا ہے۔ حقوق اور فرائض ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ ضروری ہے کہ فطری صلاحیتوں کا خیال کرتے ہوئے اپنے اپنے دائرہ کار میں رہا جائے۔ دوسرے کے کام میں مداخلت نہ کرنا اور اسے کام کی آزادی دینا بھی اس کی مدد کرنا ہے۔

انسان کو جان، عزت اور وقار عزیز ہوتے ہیں۔ اپنے مال کا اسے خیال رہتا ہے۔ آزادی اور خوشی کا حصول اس کی آرزو ہوتی ہے۔ ان تمام معاملات میں مرد اور عورت برابر ہیں۔ عورت کی جان جائے یا مرد کی دونوں کی سزا ایک ہے۔ اخلاق جس کا زیادہ اچھا ہے لوگ اس کی عزت کرتے ہیں اور اس میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ عورت ہے یا مرد۔ جب قدرت نے انھیں مساوی حقوق دیے ہیں تو حق دار کو اس کا حق دیتے ہوئے جھجک نہیں ہونی چاہیے۔

ہمارے ہاں کچھ غلط معاشرتی رسم و رواج جڑ پکڑ گئے ہیں۔ لڑکوں کی پڑھائی کو زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ضروری ہے کہ لڑکیوں کو بھی تعلیم کے مساوی مواقع دیے جائیں۔ لڑکیوں نے مواقع ملنے پر بہت سی جگہوں پر تعلیمی برتری حاصل کر لی ہے۔ دیہات میں ابھی صورت حال زیادہ نہیں بدلی۔ اسی طرح جائیداد کی تقسیم خصوصاً زرعی زمین سے عورت کو محروم رکھا جاتا ہے حالانکہ یہ اس کا قانونی حق ہے۔

دنیا میں صرف مرد ہونا خوبی ہے اور نہ صرف عورت ہونا کوئی خامی، بلکہ انسان کی فضیلت تو اخلاق اور کردار کی برتری

سے ہے۔ جو اس میدان میں آگے ہے وہ دوسرے سے بازی لے جاتا ہے خواہ عورت ہو یا مرد۔ مائیں کھانا کھلاتے ہوئے عام طور پر بیٹوں کو ترجیح دیتی ہیں حالانکہ بیٹیوں کے ساتھ بھی خوراک میں برابر کا سلوک کرنا چاہیے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بہنیں بھائیوں کے لیے ایثار سے کام لیتی ہیں اور اپنے حصے کی چیز انھیں دے دیتی ہیں۔ یہ تو خوشی کی بات ہے مگر والدین کو اس میں فرق روا نہیں رکھنا چاہیے۔ بھائیوں کو بھی اپنی بہنوں کے لیے اسی طرح ایثار کرنا چاہیے۔

ہمارے معاشرے میں عورتوں اور مردوں کو تفریح کے مساوی مواقع نہیں دیے جاتے۔ سماجی حد بندیاں اپنی جگہ لیکن بچوں کو یہ مواقع مساوی دینے چاہییں۔ اسی طرح صحت کے معاملات میں بھی مساوی مواقع ملنے چاہییں۔ اگر ہم ایک دفعہ طے کر لیں کہ جہاں ہم حقوق کی بات کرتے ہیں وہاں ہم مساوی حقوق کا بھی خیال رکھیں گے تو یہ معاشرہ خوشیوں کا گہوارہ بن جائے گا۔ حقوق کے معاملے میں مرد عورت دونوں کو انصاف ملنا چاہیے۔

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیں۔

1۔ گھر میں عورتوں اور بچیوں کے مساوی حقوق پر نوٹ لکھیں۔

2۔ خواتین کو جائیداد کے حق سے کیوں محروم کیا جاتا ہے؟ وجوہ بیان کریں۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ عالمی دن کیوں منائے جاتے ہیں؟

2۔ لڑکیوں کو پڑھائی سے کیوں روکا جاتا ہے؟

3۔ انسان کی فضیلت کس وجہ سے ہے؟

4۔ عورتوں اور مردوں کو تفریحی مواقع یکساں کیوں نہیں دیے جاتے؟

5۔ جہاں حقوق کی بات ہوتی ہے وہاں اور کس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ خواتین کا عالمی دن ہر سال منایا جاتا ہے

(ا) 8 مارچ کو (ب) 8 مئی کو

(ج) 8 نومبر کو (د) 8 دسمبر کو

2۔ حقوق اور فرائض میں

(ا) حقوق کو فرائض پر فوقیت حاصل ہے (ب) فرائض کو حقوق پر فوقیت حاصل ہے

(ج) حقوق اور فرائض کا آپس میں تعلق نہیں (د) حقوق اور فرائض ایک ساتھ چلتے ہیں

3۔ عورتوں کے حقوق کی راہ میں رکاوٹ ہے

(ا) مردوں کا احساس برتری (ب) عزت نفس کا احساس

(ج) خواتین کی نجی کمزوریاں (د) غلط معاشرتی رسم ورواج

4۔ یہ معاشرہ سدھر جائے اگر ہم

(ا) یہ طے کرلیں کہ اپنے اپنے فرائض ادا کریں گے

(ب) عورتوں کو کم تر نہیں سمجھیں گے

(ج) لڑکوں لڑکیوں میں تفریق نہیں کریں گے

(د) حقوق کی بات آئے تو مساوی حقوق کی بات پر عمل کریں گے

(ہ) سرگرمیاں

1۔ اپنے ٹیچر سے پوچھ کر مختلف مذاہب کی کتابوں میں مرد وزن کی برابری کے بارے میں اقتباسات کا چارٹ تیار کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ مرد وزن کے عدم مساوات اور اس کے نتائج پر مختصراً طلبہ کو بتائیے۔

2۔ طلبہ کو چند ایسی خواتین کے متعلق بتائیں جنہوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔

❁❁❁

احترامِ آدمیت

ہمارے ہاں یہ روایت بن گئی ہے کہ چُھٹی کے دن سارے کام دیر سے شروع ہوتے ہیں۔ اخبارات دیر سے آتے ہیں۔ دودھ والا دودھ دیر سے لاتا ہے اور ناشتہ بھی دیر سے کیا جاتا ہے۔ گھروں میں کام کرنے والی خواتین کئی کئی گھروں میں کام کرتی ہیں ان کے لیے یہ تاخیر مسئلہ بن جاتی ہے۔ آج ابھی ہم ناشتہ کرہی رہے تھے کہ سیماں نے صفائی کا کام شروع کر دیا۔ امّی کو غصہ آ گیا اور انھوں نے اُسے جھڑک دیا۔

ابّا جان مزاج کے ٹھنڈے ہیں۔ وہ عام طور پر امّی جان کے گھریلو معاملات میں دخل نہیں دیتے۔ انھوں نے سب کو متوجہ کیا اور کہنے لگے کہ مہنگائی کے اس دور میں ہر آدمی کی ضرورتیں بڑھ گئی ہیں۔ سیماں یہاں سے فارغ ہو کر سبحانی صاحب کے ہاں جائے گی اور پھر جعفر صاحب کے ہاں۔ آپ نے اس سے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ ناشتہ بھی کیا ہے یا نہیں اور جھڑک دیا ہے۔ آپ کی ناراضی بے جا ہے۔ ہمیں گھر میں خدمات سرانجام دینے والوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

بات سے بات نکلتی ہے۔ ابا جی کہتے گئے۔ دنیا کے سلسلے عجیب ہیں۔ جو آج ملازم ہیں، ہوسکتا ہے چند نسلیں پہلے وہ رئیس ہوں۔ کسی حادثے یا بدقسمتی سے وہ دوسروں کے گھروں میں کام کرنے پر مجبور ہوئے ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو افراد آج صاحب اور بیگم صاحبہ ہیں وہ کل پیسے پیسے کے محتاج ہو جائیں۔ وقت بدلتے دیر نہیں لگتی۔ کشمیر میں زلزلہ آیا تو ایک ہی لمحے میں کروڑ پتی کوڑی کوڑی کے محتاج ہو گئے۔ عزتِ نفس سب کی برابر ہے۔ سارے ہی آدم کی اولاد ہیں۔ گھریلو کارکن ہوں یا دفتروں میں کام کرنے والے چھوٹے ملازم، سب قابلِ احترام ہیں۔

سارے مذاہب انسانی برابری کا درس دیتے ہیں۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ کسی کو حقیر نہ سمجھیں اور سب کے جذبات کا خیال رکھیں۔ اگر توفیق ہو تو ان کے حق سے بڑھ کر احسان کریں۔ اللہ تو چاہتا ہے کہ انھیں بھی کھانے اور پہننے کو وہی دیں جو خود کھاتے اور پہنتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کیا جائے۔ اگر ہم ان لوگوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں، تو وہ ہمارا زیادہ احترام کریں گے۔

گھر میں سو طرح کی ضرورتیں پیش آتی رہتی ہیں۔ کبھی بجلی کا نظام گڑبڑ ہے، کبھی پانی کا نل خراب۔ دودھ والا دیر سویر کر دیتا ہے، کسی کا ٹی وی یا کمپیوٹر خراب ہو جاتا ہے۔ ڈاک کا تاخیر سے تقسیم ہونا اور ٹیلی فون کا خراب ہونا ____ یہ سارے ایسے کام ہیں جن کے لیے ہمیں دوسروں کی خدمات کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ ہمیں ان سب لوگوں کا احترام کرنا چاہیے اور ان کے ساتھ عزت سے پیش آنا چاہیے۔ کیونکہ یہ سب پیشے معاشرتی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔

ایک اور بات سنیں! غصہ تو آگ ہے اور آگ سے نہیں کھیلا جاتا۔ اگر کسی بات پر غصہ آئے تو ذرا خود کو اس کی جگہ رکھ کر سوچیں کہ اگر آپ خادم یا ملازمہ ہوں اور آپ کی بے عزتی ہو رہی ہو تو آپ کیا محسوس کریں گے؟ بات فوراً سمجھ میں آ جائے گی۔

ضمیر کا فیصلہ غلط نہیں ہوتا۔ آپ کی امی جان سیماں پر برس پڑیں۔ سوچا ہی نہیں کہ اس نے کئی گھروں کا کام کرنا ہے، خالی پیٹ، مہنگائی کے ہاتھوں تنگ اور سب سے بڑھ کر یہ دھتکار اور بے عزتی!

بات امی جان کے دل میں اتر گئی۔ وہ اٹھیں، پراٹھا بنایا، سیماں کو پاس بٹھا کر ناشتہ کرایا۔ اس سے معذرت کی اور جب وہ کام سے فارغ ہو کر جانے لگی تو کچھ سیب بھی ساتھ کر دیے۔ وہ خوش خوش دعائیں دیتی چلی گئی۔

خوش اخلاقی خوش بو کی طرح پھیل جاتی ہے۔۔ امی جان کے حسنِ سلوک اور سیماں کی خوشی دیکھ کر بھی خوش ہوئے۔ سب بچوں نے اباجی کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے کام کی باتیں بتائی تھیں۔ واقعی عزت، وقار اور احترام انسان کو بے حد عزیز ہوتے ہیں۔ انسان بھوک، پیاس اور موسم کی سختی تو برداشت کر لیتا ہے لیکن عزتِ نفس کو ٹھیس نہیں لگنے دیتا۔ ہمیں سب کی عزتِ نفس کا خیال رکھنا چاہیے کہ یہی احترامِ آدمیت کا تقاضا ہے۔

مشق

(الف) مفصل جواب لکھیں۔

1۔ گھر میں خدمات بجالانے والوں کا احترام کیوں ضروری ہے؟

2۔ سیماں کی عزتِ نفس بحال کرنے کی لیے خاتونِ خانہ نے کیا کیا اقدام کیے؟

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ چھٹی کا دن گھریلو خادموں اور کام کرنے والیوں کے لیے کیوں مسئلہ بن جاتا ہے؟

2۔ سیماں کتنے گھروں میں کام کرتی ہے؟

3۔ مذاہب کیا تعلیم دیتے ہیں؟ مساوات کے حوالے سے وضاحت کریں۔

4۔ غصے سے پرہیز کیوں لازم ہے؟

5۔ امی کا رویہ کیوں کر بدلا؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ امی جان نے سیماں کو جھڑک دیا کیوں کہ

(ا) سیماں نے برتن اچھی طرح صاف نہیں کیے تھے (ب) وہ دیر سے آتی تھی

(ج) اس نے ناشتے کے دوران میں صفائی شروع کر دی تھی (د) اسے محض نوکرانی سمجھا گیا

2۔ اباجی نے باتوں میں یہ سمجھا دیا کہ

(ا) کسی کے ساتھ انہونی ہو سکتی ہے (ب) خوش قسمتی ہمیشہ ساتھ نہیں دیتی

(ج) بد قسمتی پوچھ کر نہیں آتی (د) ملازم کا احترام لازم ہے

3۔ دوسرے ہمارا احترام کریں گے اگر ہم

(ا) ان کے حقوق پورے کریں (ب) انھیں غصہ نہ ہوں

(ج) انھیں اچھا کھانے کو دیں اور احسان کریں (د) ان پہ شفقت کریں

4۔ امی کے خوش گوار رویے کے بعد بچے خوش ہو گئے ۔ کیونکہ

(ا) امی خوش تھیں (ب) ابو جان نے باتوں باتوں میں کام کی بات بتا دیا

(ج) سیماں کی عزت نفس بحال ہو گئی تھی (د) خوشی نے ماحول خوش گوار کر دیا تھا

(د) کالم (الف) کو کالم (ب) سے ملائیں اور جوابات کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
سارے کام دیر سے	آگ	
گھریلو معاملات	چھٹی کا دن	
غصہ	امی	
احترام	عزت نفس	
عزیز	آدمیت	
	بے عزتی	

(ہ) سرگرمیاں

1۔ مختلف مذاہب کے بانیوں میں گھریلو ملازمین سے حسن سلوک کے واقعات نوٹ کریں اور طلبہ کو ان سے آگاہ کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ بچوں کو عزت نفس کے بارے میں بتایا جائے۔

2۔ عزت نفس کن رویوں اور باتوں سے مجروح ہوتی ہے وہ یاد کرائی جائیں۔

❁ ❁ ❁

الف۔ قاعدے قانون کی بات

نومبر کے دن تھے۔ سردیوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ اسمبلی شروع ہونے سے پہلے ہم لوگ مدرسے کے سبزہ زار میں کھڑے باتیں کر رہے تھے کہ ایک پرندے کی آواز سنائی دی۔ سب کی نظریں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ بڑا دلکش منظر تھا۔ کچھ بلندی پر کونجوں کی ایک ڈار تکون کی شکل میں پرواز کر رہی تھی۔ ان میں ایک کونج ذرا آگے تھی اور وہ تھوڑی دیر کے بعد اشارہ دیتی جارہی تھی۔

گوشی کہنے لگی ''دیکھیں یہ پرندے اپنے قائد کے حکم کے کتنے پابند ہیں۔ کیا مجال جو نظم وضبط کو توڑیں۔ ہمارے قائد نے بھی ہمیں ایسا ہی سبق دیا تھا۔ مگر ہم تو کیا ساری قوم ہی بھول گئی۔ سبھی لڑکیاں مسکرا دیں۔

اتنی دیر میں گھنٹی بجی۔ دعا ہوئی اور پھر پہلا پیریڈ شروع ہو گیا۔ ''اخلاقیات'' کے پیریڈ میں مس کیتھرائن نے مذہب میں نظم وضبط اور قوانین کی پابندی کی بات کرنا چاہی، تو رفعت نے صبح والے خوب صورت منظر اور گوشی کی بات سے استانی صاحبہ کو آگاہ کیا۔ مس کیتھرائن نے گوشی کی ذہانت اور بات سے بات پیدا کرنے کی صلاحیت کی تعریف کی اور کہنے لگیں۔

''قوانین اور نظم وضبط کی پابندی میں کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔ یہ قانونِ فطرت ہے۔ ذرا غور کریں تو فطرت قدم قدم پر ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ آپ نے کبھی غور کیا کہ چیونٹیاں غلہ اکٹھا کر رہی ہوتی ہیں، تو کتنے نظم اور سلیقے سے قطار میں چلتی ہیں۔ شہد کی مکھیاں گئے بندھے راستے پر پرواز کرتی رہتی ہیں۔ یہ کونجیں، جو صبح آپ نے دیکھیں، یہ اسی نظم وضبط سے ہزاروں کلومیٹر دور سائبیریا سے اُڑتی ہوئی یہاں پہنچتی ہیں۔ مس کیتھرائن کی ایک ایک بات دل میں اتر رہی تھی وہ کہتی چلی گئیں۔

ہمارا دل، ہمارا جگر اور ہمارے اندرونی دیگر نظام ایک نظم وضبط سے اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ رگوں میں خون

رواں دواں ہے، گردے خون سے بے کار مادے الگ کر رہے ہیں۔ پھیپھڑے اپنی جگہ کام کر رہے ہیں۔ گویا ہمارے جسم کا رواں رواں ایک نظم کا پابند ہے۔ ذرا غور کریں تو سورج، چاند، ستارے اور زمین، یہ سب ایک قانون اور نظم کے پابند ہیں۔ فطرت ہر روز اور ہر لمحے قوانین اور اصول وضوابط کی مثالیں پیش کرتی ہے۔ اگر ہمارے خودکار جسمانی نظام کے اعضاء میں سے کوئی بھی اپنا کام چھوڑ دے تو زندگی کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر فطرت کا کوئی کل پرزہ اپنے معمول سے ہٹ جائے تو یہ دنیا تباہ ہو جائے گی۔

یاد رکھیں کہ ہر ایک فرد اور ہر ایک قوم کی ترقی کا راز قوانین اور ضابطوں کی پابندی میں ہے۔ قومیں طے شدہ ضابطوں کی پابندی سے بنتی ہیں۔ ملک قانون کے مطابق ہی چل پاتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے کام بھی قاعدے قانون کے مطابق نہ کیے جائیں تو ترقی کا پہیہ رک جاتا ہے۔ گاڑیوں کی پارکنگ، سکولوں، ریلوے اور ہوائی جہازوں کے نظام الاوقات، خریداری کے لیے قطاریں سب نظم وضبط کی پابندی کے طالب ہیں اور ہمیں بدنظمی سے بچاتے ہیں۔ آؤ وعدہ کریں کہ ہم ہر قسم کے نظم وضبط اور وقت کی پابندی کریں گے۔

ب۔ فرد کی زندگی میں وقت کی قدر و قیمت

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ وہ کون سی چیز ہے جو خدائے برتر نے تمام انسانوں کو برابر دی ہے تو میں فوراً جواب دوں گا ''وقت''۔ دنیا میں انسان مختلف خطوں میں رہتے ہیں۔ ان میں سے کوئی کالا ہے تو کوئی گورا اور کوئی گندمی، کوئی لمبا تڑنگا ہے تو کوئی چھوٹے قد والا۔ ہر ایک کی شکل ہی نہیں صلاحیتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ اسی طرح کوئی امیر ہو یا غریب اور چین میں رہتا ہو یا امریکہ میں، پاکستان میں بستا ہو یا ہندوستان میں، ہر ایک کے پاس دن رات میں 24 گھنٹے ہوتے ہیں اور یہی وقت فرد کی زندگی میں سب سے زیادہ اہم ہے۔

وقت زندگی کا دوسرا نام ہے اور یہ انسان کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنی آکسیجن۔ یہ اپنے قدر دانوں کا دوست ہے۔ جو کوئی اس سے فائدہ اٹھاتا ہے وہ ترقی کرتا ہے اور خوش حال ہو جاتا ہے۔ کامیابی اس کے قدم چومتی ہے مگر جو اس کو ضائع کرتا ہے، وقت اس کا بدترین دشمن ہے۔ وہ فرد کو کسی کام کا نہیں رہنے دیتا۔ اگر یہ مہربان ہے تو ہر مشکل میں آپ کی انگلی پکڑ کر آپ کو منزل مقصود تک پہنچا دے گا اور اگر آپ نے اسے آج ضائع کر دیا تو آپ کا مستقبل خراب ہو جائے گا۔

وقت بڑا تیز رفتار ہے۔ گزرتے پتہ ہی نہیں چلتا۔ آپ سیکنڈ کی سوئی پر نظر جمائیں آپ کو احساس ہوگا کہ وقت کتنا تیز رفتار ہے۔ برف کو پگھلتا دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ غیر محسوس طریقے سے پگھلتی ہے اور دکھائی نہیں دیتی۔ اسی طرح وقت گزرتا چلا جاتا ہے۔ وقت سے فائدہ اٹھا کر کچھ لوگ بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیتے ہیں اور یوں وقت کی پابندی کر کے وہ کامیاب رہتے ہیں۔ پس تمام طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ وقت سے فائدہ اٹھائیں۔ یہی زندگی کا دوسرا نام اور یہی کامیابی کی کنجی ہے۔

ج۔ گھر میں قوانین کی پابندی

زندگی کے شعبوں اور دیگر اداروں کی طرح گھر بھی ایک ادارہ ہے جو انسان کو قاعدے قانون کا پابند بنانے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ بچہ ماں کی گود میں تربیت حاصل کرتا ہے۔ جب وہ شعور کی آنکھ کھولتا ہے تو ماں اسے کئی چھوٹی چھوٹی باتیں بتاتی ہے۔ یہ کرنا ہے اور یہ نہیں کرنا، اچھائی برائی میں فرق وغیرہ اور جب وہ بڑا ہوتا ہے تو گھر میں حقوق و فرائض کے دائرے میں رہنے والے چند لوگوں کو دیکھتا ہے۔ یہ سب خون کے رشتے میں جڑے ہوتے ہیں اور یہ اس کا اپنا کنبہ ہوتا ہے۔

ہر کام وقت پر کیجیے

گھر کے اصول اور قاعدے، قوانین اور روایات کی شکل میں ہوتے ہیں۔ ماں گھر کی منتظم ہوتی ہے۔ وہ بچوں سے ان روایات اور اقدار پر عمل کراتی ہے اور انھیں نظم و ضبط سکھاتی ہے۔ ان میں احساسِ ذمہ داری پیدا کرتی ہے اور ان کی تربیت کرتی ہے۔ کس وقت جاگنا ہے، جاگنے کے بعد منہ ہاتھ دھونا، دانت صاف کرنا، اپنے کپڑے خود استری کرنا۔ بڑے بہن بھائی چھوٹوں کی مدد کرتے ہیں۔ بستہ تیار کرنا، سکول جاتے ہوئے توشہ دان ساتھ لے کر جانا، سکول جاتے ہوئے گھر والوں کو خدا حافظ کہنا، اپنے کمرے کی صفائی، گھر کے کام کون کرے گا؟ سودا سلف کون لائے گا، مہمانوں کی خدمت کیسے کی جائے گی؟ تفریحی پروگرام کیسے ترتیب دیں گے؟ ٹی وی کس نے کب دیکھنا ہے؟ بچے گھر کا کام کس وقت کریں گے؟ یہ سب کام قاعدے اور اُصول و ضوابط کے تحت گھر میں انجام پاتے ہیں۔ اگر گھر میں بدنظمی ہو تو ایک طرف وقت ضائع ہوتا ہے دوسری طرف کوئی کام سلیقے سے نہیں ہو پاتا۔

یہ گھریلو روایات بچوں کو نظم و ضبط کا عادی بناتی ہیں اور انہیں قاعدے قانون پر عمل کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔

د۔ سکول کے قوانین کی پابندی

گھر کے بعد سکول تربیت کا دوسرا بڑا ادارہ ہے۔ بچے کی شخصیت کی تعمیر اور کامیابی کا انحصار بہت حد تک سکول میں ہونے والی تعلیم و تربیت پر ہوتا ہے۔ اسی لیے والدین بچوں کے لیے اچھے تعلیمی اداروں کا انتخاب کرتے ہیں اور بچے بڑے ہو کر ان اداروں سے اپنے تعلق پر فخر کرتے ہیں۔ حکومت تمام سرکاری تعلیمی اداروں میں قوانین اور اُصول و ضوابط رائج کرتی ہے اور نجی تعلیمی اداروں کو بھی اہم ہدایات دی جاتی ہیں اور وہ ان کے پابند ہوتے ہیں۔ یہ قوانین کم و بیش ایک جیسے ہوتے ہیں۔ البتہ کچھ تعلیمی ادارے اپنی امتیازی حیثیت قائم رکھنے کے لیے دوسروں سے مختلف ضوابط کی پابندی بھی کراتے ہیں۔ چند اہم اداروں کے جائزے سے درج ذیل قواعد و ضوابط سامنے آتے ہیں۔

☆ ہر تعلیمی ادارے میں وقت کی پابندی لازم ہوتی ہے۔ سردیوں اور گرمیوں کے اوقات طے ہوتے ہیں۔ کچھ ادارے سال بھر کا پروگرام دے دیتے ہیں جن میں دیگر باتوں کے علاوہ امتحانات کا نظام الاوقات بھی دیا جاتا ہے اور اس کی سختی سے پابندی کرائی جاتی ہے۔ بعض ادارے وقت کی پابندی میں ذرا لچک نہیں دکھاتے۔ دیر سے آنے والے طلبہ کو غیر حاضر تصور کیا جاتا ہے۔

☆ سکول کے لباس کی پابندی ہر تعلیمی ادارے کا لازمی حصہ ہے۔ سردیوں گرمیوں اور طلبا و طالبات کے لیے الگ الگ لباس مقرر رہوتے ہیں۔

☆ ہر ادارہ واجبات کی بروقت ادائیگی کو یقینی بناتا ہے۔ اس کے لیے تواریخ مقرر کی جاتی ہیں۔

☆ چھٹی لینے کا طریقہ کار مقرر ہے بغیر اطلاع کے چھٹی کرنے پر جرمانہ اور زیادہ غیر حاضریوں پر ادارے سے نام خارج کر دیا جاتا ہے۔

☆ ہر ادارہ ایسی سرگرمیوں کی ممانعت کرتا ہے جو ملکی یا ادارے کے مفاد کے خلاف ہوں۔

☆ سکول کی املاک اور پودوں کو دانستہ نقصان پہنچانے کو سکول قوانین کی خلاف ورزی تصور کیا جاتا ہے۔

☆ تعلیمی ادارے سرپرست کے بغیر کسی بھی طالب علم کو اوقات مدرسہ میں ادارے سے باہر جانے پر پابندی عائد کرتے ہیں۔

☆ تعلیمی ادارے طالبات کے بناؤ سنگھار کرنے، زیورات پہننے اور اونچی ایڑی کا جوتا پہننے پر پابندی لگاتے ہیں۔

☆ ہر ادارہ بدزبانی، لڑائی جھگڑے اور گالی گلوچ سے اجتناب کرنے کی تاکید کرتا ہے۔

☆ ہر ادارہ اساتذہ کے احترام، ملازمین کی عزت اور ایک دوسرے سے خوش اخلاقی کی تلقین کرتا ہے

☆ ہر ادارہ مدرسہ میں موبائل فون کے استعمال سے منع کرتا ہے۔

☆ ایک اور اہم بات ـــــ تمباکو نوشی صحت کے مضر ہے۔ دنیا بھر میں پبلک مقامات اور دورانِ سفر تمباکو نوشی پر پابندی عائد ہے۔ یہ ایک اخلاقی کمزوری بھی ہے اس لیے اس سے پرہیز کو ہر ادارہ اولیت دیتا ہے۔

ان تمام ضابطوں اور قوانین کی پابندی طلبہ کے لیے مفید ثابت ہوتی ہے اس لیے ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔

۵۔ قوانین اور ہمسائیگی

اچھا ہمسایہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خاص نعمت ہے۔ اس کے بے شمار فائدے ہیں۔ اُس کی طرف سے اطمینان ہو تو عزت اور مال کے محفوظ ہونے کا یقین ہوتا ہے۔ ہر دُکھ سکھ میں شریک ہونے سے ایک برادری کا احساس ہوتا ہے۔ معاشرت اسی سے تقویت پاتی ہے۔ اسی لیے ہر مذہب نے ہمسائے کے حقوق پر زور دیا ہے۔ مگر جب بھی دو فریقوں کا ایک دوسرے سے واسطہ پڑتا ہے جیسے ادارہ اور طالب علم، گھر اور خاندان کے افراد، کھیل اور کھلاڑی، تو ضروری ہوتا ہے کہ کچھ قاعدے، اصول اور قوانین مقرر ہوں تا کہ ایک دوسرے کے ساتھ معاملات طے کرنے میں آسانی ہو۔

ہمسائے کے ساتھ معاملات معاشرتی روایات کا حصہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ کوئی تحریری معاہدہ نہ ہونے کے باوجود ہمسایے پکی پکائی چیزوں کا باہمی تبادلہ کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں۔ اگر ایک فریق پر مشکل آ پڑے تو دوسرا اُس کی مالی اور اخلاقی مدد کرتا ہے۔ کسی ایک کو کسی خطرے کا سامنا ہو تو ہمسایہ سب سے پہلے ساتھ دیتا ہے۔ اگر ہمسایے میں رات کو کوئی بیمار پڑ جائے، تو دوسرا ہمسایہ اس کے کام آتا ہے اور ہسپتال تک ساتھ جاتا ہے اور گاہے گاہے عیادت بھی کرتا رہتا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ریڈیو، ٹی وی اور ٹیپ ریکارڈر وغیرہ اونچی آواز میں نہ لگائیں۔ کسی کی چغلی نہ کھائیں۔ اس کی کمزوریوں کو عام نہ کریں۔ ناگوار باتوں سے چشم پوشی کریں۔ اگر بچے لڑ پڑیں یا خواتین میں تلخ کلامی ہو جائے تو اسے برداشت کریں اور دل مَیلا نہ کریں۔ پنجابی زبان کا محاورہ ہے "ہمسایہ ماں جایا" کہ ہمسایہ تو سگے بہن بھائیوں کی طرح ہوتا ہے۔ اس کا پورا خیال رکھا جائے۔

تمام مذاہب ہمسائے کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس کی ضروریات کو پورا کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ نیز جو افراد اپنے ہمسائے سے عمدہ سلوک نہیں کرتے، تمام مذاہب انہیں اچھا انسان تصور نہیں کرتے۔

ہمسائے سے حُسنِ سلوک کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ خوش دلی سے ملا جائے۔ اپنی خوشیوں میں اُسے شامل کیا جائے اور اس کے دکھ درد کو بانٹا جائے۔

گھر میں کوئی عمدہ پکوان تیار ہو تو ہمسائے کو بھی اس میں شامل کیا جائے۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ انسانی زندگی میں قواعد و قوانین کی کیا اہمیت ہے؟

2۔ ایک فرد کی زندگی میں وقت کی اہمیت واضح کریں۔

3۔ سکول میں عام طور پر کن قوانین کی پابندی ضروری سمجھی جاتی ہے؟

4۔ ہمسائے سے حُسنِ سلوک کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ گوشی کا اشارہ کس قائد کی طرف تھا؟

2۔ قوانینِ فطرت ہماری کیسے رہنمائی کرتے ہیں؟

3۔ قُدرت کی کون سی چیز ہر انسان کو برابر دی گئی ہے؟

4۔ گھر میں قوانین کی پابندی کون سکھاتا ہے؟

5۔ سکول میں یونیفارم کی پابندی کا کیا فائدہ ہے؟

6۔ ہمسائے کو کون کون سی چیز بھجوانی چاہیے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ مس کیتھرائن نے گوشی کو داد دی کیوں کہ

(ا) اس نے ایک مزاحیہ بات کی تھی۔

(ب) وہ لڑکیوں میں سب سے زیادہ ذہین تھی۔

(ج) اس نے باتوں باتوں میں نظم وضبط کی اہمیت واضح کر دی تھی۔

(د) اس کی بات سے مس کیتھرائن کو ایک موضوع ہاتھ آ گیا تھا۔

2۔ چیونٹیوں، شہد کی مکھیوں اور مُرغابیوں کا نظم وضبط ہمیں درس دیتا ہے کہ

(ا) قانونِ فطرت کی پابندی کی جائے۔

(ب) نظم وضبط ہمارے لیے بھی اُتنا ہی ضروری ہے۔

(ج) کامیابی کا راز نظم وضبط کی پابندی میں ہے۔

(د) نظم اور سلیقہ زندگی کا حُسن ہے۔

3۔ یہ دنیا تباہ ہو سکتی ہے اگر

(ا) ہم نظامِ فطرت کے خلاف کام کریں

(ب) ہم سب تعصبات کا شکار ہو جائیں

(ج) فطرت کا کوئی کل پرزہ اپنے معمول سے ہٹ جائے

(د) ہم نظم وضبط کا خیال نہ رکھیں

4۔ زندگی کا دوسرا نام............ ہے

(ا) نظم وضبط (ب) خوش اخلاقی

(ج) قوانین فطرت کی پابندی (د) وقت

5۔ حقوقِ ہمسائیگی میں لازم ہے کہ:

(ا) یک دوسرے کے مفادات کا خیال رکھا جائے

(ب) ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شرکت کی جائے

(ج) ایک دوسرے کو تحائف دیے جائیں

(د) اصول اور قوانین طے کرلیں تاکہ معاملات میں آسانی ہو

(د) خالی جگہ پُر کریں۔

1۔ قوانین اور نظم وضبط کی............ میں کامیابی کا راز پنہاں ہے۔

2۔ ہمارا دل، پھیپھڑے اور گردے بھی............ کے پابند ہیں۔

3۔ اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو............ کی نعمت برابر دی ہے۔

4۔ ہر ادارہ............ کی بروقت ادائیگی پر زور دیتا ہے۔

5۔ تمام مذاہب نے............ کے حقوق کا خیال رکھنے پر زور دیا ہے۔

(ہ) سرگرمیاں

1۔ سکول میں نظم وضبط کہاں کہاں ضروری ہے..... چارٹ مرتب کریں۔

2۔ وقت کی اکائیوں کا چارٹ بنائیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ ہمسایوں کے حقوق کے بارے میں مختلف مذاہب کی اہم ہدایات سے طلبہ کو آگاہ کریں۔ ان ہدایات سے مشترک نکات یکجا کر کے چارٹ تیار کرائیں۔

❀❀❀

ٹریفک قوانین

ہمارے روزنامے ٹریفک حادثات کی خبروں سے پُر ہوتے ہیں۔ ہر سال ہزاروں افراد حادثوں میں مرتے اور ان کے خاندان اجڑ جاتے ہیں۔ معذور ہونے والے اس کے علاوہ ہیں۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے کہ عوام اور ڈرائیور ٹریفک قوانین کا شعور نہیں رکھتے' یا جانتے ہیں تو بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان پر عمل نہیں کرتے۔

ٹریفک پولیس نہ صرف ٹریفک قوانین کے ذریعے گاڑیوں کی آمد و رفت کو کنٹرول کرتی ہے۔ بلکہ ان قوانین سے آگاہی فراہم کرنے کے لیے تعلیمی اداروں میں جا کر معلوماتی مواد بھی تقسیم کرتی ہے۔ حکومت ان قوانین سے آگاہی فراہم کرنے کے لیے مسلسل کوشاں رہتی، اور طلبہ کو ان کی اہمیت سے آگاہ کرتی ہے۔ ٹریفک قوانین بے شمار ہیں۔ یہاں ان چند قوانین کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا جاننا ہم سب کے لیے نہایت ضروری ہے۔

☆ سڑک بہت سے لوگ استعمال کرتے ہیں۔ انھیں راستہ دینا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔
☆ سڑک پر چوکنا رہیے۔ اور موبائل فون کا استعمال کرنے سے پرہیز کریں۔
☆ سڑک پر بزرگوں، معذوروں اور بچوں کا خاص خیال رکھیں۔ انھیں سڑک پار کرنے میں مدد دیں۔
☆ ٹریفک کے اشاروں اور علامات سے واقفیت حاصل کریں' اور اُن کا مطلب اور مفہوم ذہن نشین کر کے اُن پر عمل کریں۔
☆ سڑک خواہ کتنی ہی ویران کیوں نہ ہو اس پر ہرگز نہ کھیلیں۔
☆ سڑکوں پر کٹی ہوئی پتنگ کے پیچھے نہ بھاگیں۔ ایسا کرنا حادثے کا سبب بن سکتا ہے۔
☆ دورانِ سفر اپنی شناخت کے کاغذات ضرور اپنے ساتھ رکھیں۔

پیدل چلنا

☆ راہداری (فٹ پاتھ) پر چلیے، خواہ سڑک خالی ہی کیوں نہ ہو۔
☆ راہداری (فٹ پاتھ) موجود نہ ہو تو سڑک کی انتہائی دائیں جانب چلیں' تاکہ سامنے سے آتی ہوئی گاڑیوں سے بچ سکیں۔
☆ راہداری (فٹ پاتھ) پر کھڑے ہو کر رکاوٹ نہ ڈالیں۔
☆ سڑک پار کرنا چاہیں تو کنارے پر کھڑے ہو کر' پہلے دائیں' پھر بائیں اور دوبارہ دائیں طرف دیکھ کر سڑک عبور کریں۔
☆ سڑک عبور کرنے کے لیے بنائے گئے صرف مقررہ راستے استعمال کریں۔
☆ چھوٹے بچوں کو خود سڑک پار کرائیں۔
☆ ٹریفک کے عملے کی ہدایات پر عمل کریں۔
☆ سڑک صرف زیبرا کراسنگ سے عبور کریں۔ جہاں ایسا نہ ہو وہاں خوب دیکھ بھال کر سڑک پار کریں۔
☆ سڑک پر پیدل چلنے والوں کے لیے بنائی گئی مقررہ جگہ ہی سے سڑک عبور کریں۔

سائیکل چلانا

سڑک پر سائیکل چلانے کے لیے درج ذیل ضابطوں کی پابندی کی جائے۔

☆ سائیکل سڑک پر لانے سے پہلے چیک کرلیں کہ اس کی ٹیوبوں میں ہوا پوری ہو، بریکیں وغیرہ درست ہوں۔

☆ ہینڈل دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر سائیکل چلائیں۔

☆ اگر سڑک پر سائیکل ٹریک موجود ہے تو صرف اس پر سائیکل چلائیں ٹریک نہ ہو تو سڑک کے انتہائی بائیں کنارے پر سائیکل چلائیں۔

☆ مڑنے سے پہلے آگے پیچھے اچھی طرح دیکھ لیں، اور مڑنے کا اِشارہ بھی کریں۔

☆ سائیکل مناسب رفتار سے چلائیں۔

☆ سائیکل چلاتے ہوئے نہ اچانک رکیں اور نہ اچانک لائن بدلیں۔

☆ سڑک پر ریس ہرگز نہ لگائیں۔

☆ سائیکل چلاتے ہوئے اُسے دائیں بائیں لہرانا منع ہے۔

☆ کسی سے آگے نکلتے ہوئے دائیں طرف سے آگے نکلیں۔

گاڑی استعمال کرتے وقت

گاڑی میں سکول آتے جاتے بھی ٹریفک قوانین کا خیال رکھیں۔ ورنہ حادثات پیش آسکتے ہیں۔

☆ سفر کرتے وقت بس کی چھت پر سوار نہ ہوں۔

☆ بس کے دروازے میں کھڑے ہوکر یا لٹک کر سفر نہ کریں۔

☆ اگر وین میں جارہے ہوں تو، وین کے چلنے سے پہلے دروازے بند کردیں۔

☆ چھوٹے بچوں کو سکول وین میں پہلے جگہ دیں۔

☆ بس یا وین میں دھکم پیل اور شور نہ کریں۔

☆ ڈرائیور کو گاڑی تیز چلانے پر مجبور نہ کریں۔

بہت سے بچے اپنی موٹر سائیکل یا گاڑی میں سکول آتے جاتے ہیں۔ ایسی نجی گاڑیوں کے ڈرائیور (یا آپ کے قریبی عزیز) ڈرائیونگ کا لائسنس رکھتے ہیں اور ٹریفک قوانین سے واقف ہوتے ہیں البتہ بسا اوقات بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ آپ دھیان رکھیں کہ گاڑی کا ڈرائیور درج ذیل باتوں پر عمل کرے:

☆ لائسنس کے بغیر گاڑی ہرگز نہ چلائے۔

☆ سڑک پر دوسری گاڑی سے مقررہ فاصلہ رکھے۔

☆ سبقت لے جاتے (اوور ٹیک کرتے) وقت مناسب فاصلہ رکھے۔

☆ صرف دائیں طرف سے سبقت لے جائے۔

☆ گاڑی چلاتے ہوئے موبائل فون کا استعمال قانونی جُرم ہے اس سے پرہیز کرے۔

☆ گاڑی سٹارٹ یا آہستہ کرنا یا روکنا ہو، لائن تبدیل کرنا ہو، دروازہ کھولنا ہو، یا لائن بدلنا ہو، تو پہلے عقبی شیشے میں صورت حال دیکھ لینی چاہیے۔

ٹریفک کے اصول

ان تصاویر کو غور سے دیکھ کر ذہن نشین کر لیجیے تا کہ آپ انہیں عملی زندگی میں کام میں لاسکیں۔

سڑک پار کرنے کے لیے زیبرا کراسنگ استعمال کیجیے۔

اگر سڑک پر زیبرا کراسنگ نہ ہو تو سڑک انتہائی احتیاط سے پار کرنی چاہیے۔

سڑک ٹریفک کے لیے ہے، کرکٹ کھیلنے کے لیے نہیں۔

پتنگ قیمتی ہے یا آپ کی جان؟

سڑک پر پتنگ اڑانا انتہائی خطرناک ہے۔

سڑک پر پیدل چلنے کے لیے ہمیشہ راہداری (فٹ پاتھ) استعمال کیجیے۔

جس سڑک کے ساتھ فٹ پاتھ نہ ہو اس سڑک کے دائیں کنارے پر چلیں۔

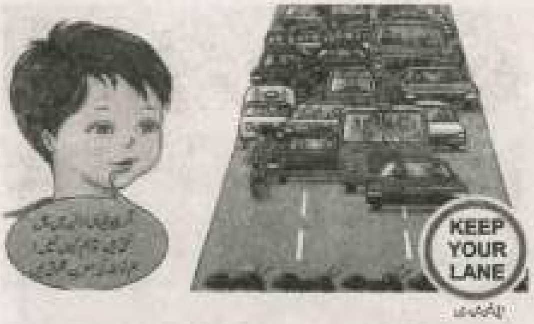

گاڑیاں اپنی اپنی مقررہ لین میں چلائیں۔

دائیں، بائیں اور سیدھی جانے والی گاڑیاں اپنی اپنی مقررہ لین میں چلیں۔

ٹریفک اشارے نہ ہونے کی صورت میں ٹریفک پولیس کی ہدایات پر عمل کریں۔

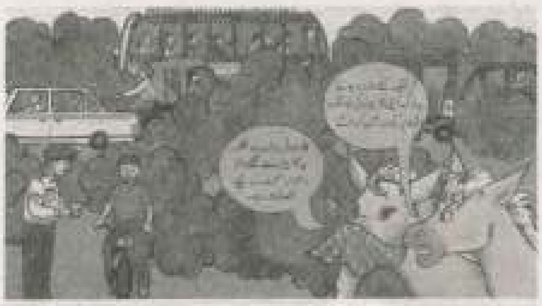

گاڑیوں سے نکلنے والا دھواں سب کی صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔

بس رُکنے پر، بس میں سوار مسافروں کو پہلے اترنے دیں۔ پھر لائن میں بس پر سوار ہوں۔

ساتھیوں اور والدین کی مدد سے اُن آٹھ جگہوں کی نشاندہی کریں جہاں ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیے۔

1۔ پیدل چلنے والوں کو سڑک پر کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟

2۔ سائیکل سواروں کو کن قوانین کا پابند ہونا چاہیے؟

3۔ ٹریفک کے قوانین کی افادیت پر نوٹ لکھیں۔

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ ٹریفک قوانین کا جاننا کیوں ضروری ہے؟

2۔ ٹریفک کے اشارات سمجھنا کیوں اہم ہے؟

3۔ پیدل چلنے والا سڑک کہاں سے عبور کرے؟

4۔ پیدل چلنے والے کو سڑک پار کرنے سے پہلے کیا کرنا چاہیے؟

5۔ راہداری (فٹ پاتھ) پر کھڑے ہونا کیوں منع ہے؟

6۔ سائیکل سوار کو مڑنے سے پہلے کیا کرنا چاہیے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ ہر روز ٹریفک کے حادثوں میں سینکڑوں لوگ مر جاتے ہیں کیوں کہ

(ا) لوگ جلدی میں ہوتے ہیں
(ب) سہولیات کم اور ٹریفک زیادہ ہے
(ج) عوام اور ڈرائیور ٹریفک قوانین کا شعور نہیں رکھتے
(د) لوگوں کو زندگی کی نعمت کا شعور نہیں ہے

2۔ موٹر سائیکل یا گاڑی چلانے کے لیے عمر کم از کم ______ سال ہونی چاہیے

(ا) 16 (ب) 17

(ج) 18 (د) 20

3۔ گاڑی چلانے کے لیے سب سے اہم چیز .... ہے۔

(ا) ٹریفک کے قوانین جاننا (ب) ٹریفک کا شعور

(ج) نظر اور سماعت کا صحیح ہونا (د) لائسنس کا ہونا

4۔ پیدل سڑک عبور کرتے وقت پہلا کام

(ا) دائیں دیکھنا ہے (ب) بائیں دیکھنا ہے

(ج) دائیں پھر بائیں دیکھنا ہے (د) دائیں پھر بائیں پھر دائیں دیکھنا ہے

(د) صحیح جملے کے سامنے ص اور غلط کے سامنے غ لکھیے۔

1۔ ٹریفک پولیس، ٹریفک قوانین کے ذریعے گاڑیوں کی آمد و رفت کو کنٹرول کرتی ہے۔

2۔ سڑک پار کرتے ہوئے پہلے بائیں پھر دائیں اور پھر بائیں دیکھیں۔

3۔ آپ پیدل ہوں تو زیبرا کراسنگ کے علاوہ کہیں سے سڑک عبور نہیں کر سکتے۔

4۔ ڈرائیونگ لائسنس کے لیے عمر کی حد 21 سال ہے۔

5۔ رش ہو تو دروازے میں کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

(ہ) سرگرمیاں

1۔ ہاتھ سے مختلف نشانات بنا کر ایک دوسرے کو دکھائیں۔

2۔ ٹریفک پولیس کی ویب سائٹ پر ٹریفک کے مزید نشانات دوسرے طلبہ کو بتائیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ چند طلبہ کو سڑک پر لے جا کر ٹریفک کے بارے میں بتائیں اور وہ واپس آ کر جماعت میں اپنے مشاہدات کا ذکر کریں۔

❁❁❁

باب 5

آداب

کھانا کھانے کے آداب

ہمیں نئی جماعت میں آئے ایک ہفتہ ہوا تھا اور ہم نئے ماحول میں بہت سی نئی باتیں سیکھ رہے تھے۔ پڑھائی کے ساتھ ساتھ اساتذہ ہمیں ایسی باتیں سکھا رہے تھے، جن کا تعلق علم کی نسبت عمل سے زیادہ ہوتا ہے۔ آج مس ایلس ایک نیا سبق ''ہماری خوراک'' پڑھانے کے بعد کہنے لگیں کہ خوراک کی اہمیت آپ جان چکے اب یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ کھانا کھانے کے آداب کیا ہیں؟

سریندر کور نے کھڑے ہو کر نہایت ادب سے کہا ''مس! ہمیں یہ بھی بتایئے کہ ان آداب کی ہماری زندگی میں اہمیت کیا ہے؟''

مس ایلس کہنے لگیں...... کامیاب اور خوش گوار زندگی کے لیے ہمیں کچھ ضابطوں کی پابندی کرنا پڑتی ہے۔ اگرچہ ایک کام کرنے کے بہت سے انداز ہو سکتے ہیں لیکن ہمیں ایسے طریقے پر عمل کرنا چاہیے' جو فطری اور زیادہ مفید ہو۔ ایک کام سوچ سمجھ کر اچھے انداز میں کیا جائے تو، اسے حُسنِ عمل اور سلیقہ کہتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کچھ لوگ ہاتھ دھوئے بغیر کھانا جلدی جلدی کھاتے

ہیں، اس طرح وہ خوراک تو نگل لیتے ہیں، مگر کھانا کھانے کے آداب پورے نہیں کرتے۔ آیئے میں آپ کو کھانے کے آداب بتاتی ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے۔ خوراک کی بہت سی قسمیں ہیں اور لاکھوں کروڑوں انسان ہر روز کھانا کھاتے ہیں۔ امیر، غریب، چھوٹا، بڑا ہر کوئی پیٹ کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کھاتا ہے۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ جو خوراک میسّر ہو کھالے۔ ہوسکتا ہے آپ مرغّن کھانوں کے عادی ہوں، مگر کسی ڈاکٹر سے پوچھیے تو وہ بتائے گا، کہ اگر اسے عادت بنالیا جائے، تو انسان کی صحت تباہ ہوجاتی ہے۔ جو کھانا آپ کے والدین کو میسر ہے، اور آپ کو پیش کیا جاتا ہے اسے شوق سے کھالیں۔ کم رغبت ہو تو تھوڑا کھالیں مگر کھانے میں نقص نکالنا ناپسندیدہ بات ہے۔

انسان مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے۔ وہ دوسروں سے مل کر، ان کے ساتھ اُٹھ بیٹھ کر خوش ہوتا ہے۔ اسی طرح مل کر کھانے میں بھی مزہ ہے۔ باہم مل کر کھانا کھانے کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو یہ ہے کہ گھر کے تمام افراد ایک ساتھ کھانا کھائیں۔ تاکہ غذا میں ایک دوسرے کو شریک کرسکیں۔ اسی طرح اگر بچے سکول میں کچھ کھاتے ہیں، تو وہ اپنے ہم جماعتوں کو بھی اس میں شریک کریں۔

ایک اور پہلو یہ ہے کہ اپنے گردوپیش کے مسکینوں، غریبوں اور ضرورت مندوں کی ضرورت کا خیال رکھا جائے اور انہیں بھی غذا فراہم کی جائے۔

آج کل معاشرے میں ایک غلط عادت وبا بن کر پھوٹ پڑی ہے۔ شادی بیاہ یا کسی دوسری اجتماعی تقریب میں لوگ نہ صرف سلیقے سے کھاتے نہیں اور دھکم پیل کرتے ہیں، بلکہ خوراک کا ایک بڑا حصہ ضائع بھی کردیتے ہیں۔ کبھی کسی نے یہ نہیں سوچا کہ سلیقے سے کھانا کھایا جائے، تو ضائع ہونے والا کھانا کتنے ہی غریبوں کا پیٹ بھر سکتا ہے۔ آپ کو بڑے ہوٹلوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ بہت سا بچا کھچا کھانا پھینک دیا جاتا ہے۔ بہت سے کھاتے پیتے گھرانوں میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہم سب عادت بنالیں کہ کھانا ضائع نہیں کریں گے، اور دوسروں کو بھی اس اہم بات پر آمادہ کریں گے، تو آہستہ آہستہ ہماری یہ معاشرتی بیماری اپنی موت آپ مر جائے گی۔

بعض اوقات ہم کھانے پینے کے پورے آداب نہیں جانتے اور ایسی عادتیں اپنا لیتے ہیں، جو ہمارے لیے نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔ کل ہم لوگ ڈاکٹر شہر یار کی شادی میں شریک تھے۔ بھلا صحت کے معاملات میں ڈاکٹر سے زیادہ کون جانتا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ نہ صرف دولہا میاں نے بلکہ شادی میں شریک اس کے ڈاکٹر دوستوں نے بھی کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئے۔ اسی طرح دلہن لیڈی ڈاکٹر رفعت کی سہیلیوں نے بھی بڑے اہتمام کے ساتھ صابن سے ہاتھ دھو کر کھانا کھایا اور کھانے کے بعد دوبارہ ہاتھ دھوئے۔ آپ تمام لوگ حفظانِ صحت کے پیش نظر یہ عادت پختہ کرلیں تو بیماری کے حملہ آور ہونے کے امکانات بہت کم ہوجائیں گے۔

گزشتہ ہفتے میرا بھانجا بیمار پڑ گیا۔ اس کے پیٹ میں مروڑ اٹھے اور وہ تکلیف سے بلبلا اٹھا۔ ہم اُسے فوراً فیملی ڈاکٹر فرخ کے پاس لے گئے۔ ڈاکٹر نے اُس کا معائنہ کیا، دوا دی اور اُسے سکون آ گیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اسے پاس بٹھا کر چند باتوں کی تاکید بھی کی۔ ایک یہ کہ کھانا کھاتے ہوئے خوب چبا چبا کر کھائیں۔ دوسرا یہ کہ کھانا کھاتے ہوئے منہ بند کر کے چبائیں۔ اس طرح لعابِ دہن کھانے میں شامل ہو کر خوراک کو ہضم کرنے میں مدد دیتا ہے اور اچھی طرح چبایا ہوا کھانا معدے اور انتڑیوں میں جلد ہضم ہوتا ہے اور معدے پر بوجھ بھی کم پڑتا ہے۔

جب ہم ڈاکٹر کے کلینک سے اٹھ کر آنے لگے تو انہوں نے ایک اہم بات کی طرف ہماری توجہ دلائی کہ آج کل ایک غلط عادت معاشرے میں جڑ پکڑ رہی ہے۔ لوگ تقریبات میں کھانا کھاتے ہوئے خوب ہنستے ہیں۔ کل ایک تقریب میں ایک حادثہ پیش آیا۔ ایک نوجوان کھاتے کھاتے کھلکھلایا تو خوراک کا ٹکڑا ہوا کی نالی میں چلا گیا۔ اُس کے دوست فوراً اُسے ہسپتال اٹھا لائے، مگر آپ جانتے ہیں کہ سانس رک جائے تو انسان زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ مجھے بڑا دکھ ہوا کہ بیس بائیس سال کا خوب رو جوان ایک غلط عادت کی وجہ سے جان سے گزر گیا۔

حیرت ہوتی ہے کہ پڑھے لکھے لوگ سب کچھ جاننے کے باوجود بھی کھانے کے آداب کا خیال نہیں رکھتے۔ آج کل لوگ مذاکرات اور گفتگو کے لیے لوگوں کو ناشتے یا کھانے پر بلا لیتے ہیں، اس میں تو کوئی بُرائی نہیں البتہ کھانا کھاتے ہوئے بھی گفتگو جاری رکھنا غلط ہے۔ اس غلط معاشرتی عادت سے ہمیں گریز کرنا چاہیے۔

آخر میں مس ایلس نے ہم سے وعدہ لیا کہ کھانے کے ان آداب پر ہم باقاعدگی سے عمل کریں گے۔ اس کے بعد کہنے لگیں کہ جب آہستہ آہستہ آپ کی یہ عادتیں پختہ ہو جائیں گی۔ تو ان اچھی عادتوں سے آپ کی صحت بھی بہتر ہو جائے گی اور حُسنِ عمل اور سلیقے سے زندگی بھی زیادہ آسان اور خوبصورت ہو جائے گی۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیے۔

1۔ کھانے کے آداب پر مفصل نوٹ لکھیں۔

2۔ کھانا کھانے کے آداب پر عمل نہ کرنے کے کیا کیا نتائج نکلتے ہیں؟

(ب) سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ ہماری زندگی میں آداب کی کیا اہمیت ہے؟

2۔ اگر پسند کا کھانا نہ ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

3۔ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا کیوں ضروری ہے؟

4۔ بچا ہوا کھانا ضائع کرنے سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟

5۔ کھانے میں دوسروں کا خیال رکھنے سے کیا مراد ہے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ کامیاب اور خوش گوار زندگی کے لیے ضروری ہے کہ

(ا) ہر کام سوچ کر کیا جائے (ب) زندگی سلیقے سے گزاری جائے

(ج) اصول وضوابط کی پابندی کی جائے (د) آداب کی اہمیت جان لی جائے

2۔ کھانے پینے کے آداب پر عمل نہ کرنے سے

(ا) صحت تباہ ہو جاتی ہے (ب) دوسرے ہمیں بے سلیقہ سمجھتے ہیں

(ج) معدے پر بوجھ بڑھ جاتا ہے (د) بھوک کم ہو جاتی ہے

3۔ شادی بیاہ یا دیگر تقریبات میں کھانے پینے کے آداب نظر انداز کرنے کا سب سے بُرا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

(ا) کچھ لوگ ضرورت سے زیادہ کھالیتے ہیں (ب) دھکم پیل میں کچھ لوگ بھوکے رہ جاتے ہیں

(ج) خوراک کا بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا ہے (د) ثابت ہوتا ہے کہ ہم غیر مہذب ہیں

4۔ کھانا کھاتے ہوئے ہنسنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟

(ا) کھانا جلد ہضم ہو جاتا ہے

(ب) غیر سنجیدہ ماحول سے کچھ لوگ اکتا جاتے ہیں

(ج) کھانے کا کوئی ٹکڑا ہوا کی نالی میں جا کر موت کا سبب بن جاتا ہے

(د) ماحول خوشگوار رہتا ہے

(د) صحیح جملے کے سامنے ص اور غلط جملے کے سامنے غ لکھیے۔

1۔ مس ایلس نے ''متوازن غذا'' کا سبق پڑھا کر آداب کی بات شروع کی۔

2۔ کھانا پسند کا نہ ہو تو بھی نقص نکالنا بُری بات ہے۔

3۔ کھانے کے آداب نہ جاننے سے کبھی کبھی موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔

4۔ بُری عادتیں پختہ ہو جائیں تو اس کے باوجود اچھی عادتیں سیکھی جا سکتی ہیں۔

(ہ) سرگرمیاں

1۔ مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے طلبہ کھانے کے آداب بتائیں اور مشترک نکات کا چارٹ تیار کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ ٹیچر اپنی نگرانی میں بچوں کو تفریح کے وقفہ میں کھانا کھلائے اور بعد میں آداب کی خلاف ورزی کی نشان دہی کرے۔

❀❀❀

باب
6

مشاہیر

الف۔ حضرت مریم علیہا السلام

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے لیے وقتاً فوقتاً جو رہنما اور پیغمبر دنیا میں بھیجے ان میں سے حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ اور آل عمران کو فوقیت دی۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عمران کی اولاد ہی سے حضرت موسیٰؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، اور حضرت محمدؐ جیسے جلیل القدر انبیاء پیدا ہوئے۔ حضرت مریمؑ آل عمران میں سے تھیں۔ عمران حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے والد تھے۔ مسیحی روایات کے مطابق حضرت مریمؑ کی والدہ آل ہارون میں سے تھیں۔ ان کے والد کا نام یوآخیم (Joachim) اور والدہ کا نام حنّا (Anne) تھا۔ یہ خاندان شہر ناصرت میں رہتا تھا اور حضرت مریمؑ کی نسبت حضرت داؤدؑ کے گھرانے کے ایک فرد یوسف سے ٹھہری تھی۔

کتاب مقدس کے مطابق خدا کی طرف سے جبرائیل فرشتہ آیا اور حضرت مریمؑ سے کہا سلام تجھ پر جس پر فضل ہوا ہے۔ خداوند تیرے ساتھ ہے۔ فرشتے نے انھیں بتایا کہ وہ حاملہ ہوں گی ان کے ہاں بچہ پیدا ہوگا اور اس کا نام یسوع رکھنا۔ قرآن پاک میں بھی یہی واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جبرائیل حضرت مریمؑ کے پاس آئے اور انھیں بتایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے تجھے برگزیدہ کیا ہے، تجھے پاکیزگی عطا کی ہے اور دنیا کی عورتوں پر تجھ کو ترجیح دے کر اپنی خدمت کے لیے چن لیا ہے۔'' جبرائیل نے حضرت مریمؑ کو ایک بیٹے کی بشارت دی اور اس کا نام مسیح رکھنے کو کہا۔ حضرت مریمؑ نے اس پر تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ مجھے تو کسی مرد نے چھوا بھی نہیں، یہ کیسے ہوگا تو فرشتے نے کہا کہ ایسا ہوگا جیسے کہ اللہ چاہتا ہے۔

بائبل مقدس کے مطابق حضرت مریمؑ کے منگیتر یوسف کو فرشتے نے خواب میں بتایا کہ حضرت مریمؑ روح القدس کے ذریعے مسیح کو جنم دیں گی تو وہ حیران رہ گیا۔ لیکن فرشتے نے اسے کہا کہ ڈرو نہیں شادی کی رسوم پوری کرو۔ یوسف نے ایسا ہی کیا۔ لُوقا کے مطابق رومن شہنشاہ نے حکم دیا کہ تمام لوگ اپنے قصبوں کو چلے جائیں تاکہ مردم شماری کی جا سکے۔ چنانچہ مریمؑ اور یوسف بھی بیت اللحم گئے۔ وہیں یسوع مسیح کی ولادت ہوئی۔ چونکہ پنگھوڑا وغیرہ وہاں موجود نہ تھا اس لیے انھیں کپڑے میں لپیٹ کر چرنی میں لٹایا گیا تھا۔ جو جانوروں کے چارہ کھانے کی جگہ ہے۔

حضرت مریمؑ کی زندگی سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ مصر چلی گئی تھیں۔ پھر جب یسوع مسیح نے پہلا معجزہ ظاہر کیا تو اس وقت وہ وہاں موجود تھیں۔ اسی طرح جب یسوع مسیح کو مصلوب کیا گیا تو شاگردوں کے علاوہ حضرت مریمؑ بھی

وہاں حاضر تھیں۔

حضرت مریمؑ کو مسیحی اور اسلامی دنیا میں یکساں احترام حاصل ہے۔ آج بھی اربوں انسان ان کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ نیک، پاکباز اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں برگزیدہ بنایا اور عورتوں میں بلند مرتبہ عطا کیا۔ ان کا ذکر بائبل مقدس اور قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔ قرآن مجید میں تو ان کے نام سے سورۂ مریم موجود ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ یسوع مسیح نے ان کی کوکھ سے جنم لیا اور ان کی گود میں پرورش پائی۔ مسیحی اور مسلمان یسوع مسیح کا بے حد احترام کرتے ہیں۔

حضرت مریمؑ تقدس، عفت اور پاکیزگی کی علامت ہیں۔ وہ کنواری مریم کے نام سے بھی پہچانی جاتی ہیں۔ مسیحیت کے ابتدائی دنوں میں انھیں ملکہ ماں بھی کہا گیا اور نئی حوا کے نام سے بھی یاد کیا گیا اور کہا گیا کہ وہ مسیح کے ذریعے انسانیت کی نجات اور اللہ کی بندگی کے ذریعے اپنی نجات کا بندوبست کر رہی ہیں۔ یقیناً رہتی دنیا تک انہیں عزت و احترام سے یاد کیا جاتا رہے گا۔

ب۔ اشوک

اشوک موریا خاندان کے تیسرے بادشاہ تھے۔ وہ 305 قبل مسیح میں پیدا ہوئے اور 270 قبل مسیح میں تخت نشین ہوئے۔ اُنہوں نے چالیس برس تک حکومت کی۔ اگرچہ انہیں ایک وسیع سلطنت ورثے میں ملی تھی لیکن اشوک نے اسے اور وسیع اور مستحکم کیا۔ اُن کی سلطنت کی حدیں شمال میں کشمیر سے لے کر جنوب میں کرناٹک اور مشرق میں گنگا کے ڈیلٹے سے شمال مغرب میں افغانستان تک پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے دور میں دنیا کے ایک بڑے حکمران تھے۔ اشوک کو سلطنت میں اصلاحات، قوانین اور رفاہِ عامہ کے کاموں کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

اپنے باپ کے عہدِ حکمرانی میں وہ صوبہ اُجین کے گورنر رہ چکے تھے۔ باپ کے مرنے کے بعد تخت حاصل کرنے کے لیے اُنہیں اپنے بھائیوں سے جنگ لڑنا پڑی۔ اس جنگ میں اُن کے 99 بھائی مارے گئے اور وہ جنگ جیت کر بادشاہ بن گئے۔ ان کی ابتدائی زندگی اور بادشاہت کے ابتدائی سات سالوں کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں۔ البتہ اتنا پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے بہت سی شادیاں کیں، شکار کھیلا، کھیل تماشے اور تفریحی دورے بھی کیے اور کئی علاقے بھی فتح کیے۔

حکمرانی کے آٹھویں سال کلنگا (KALINGA) (موجودہ اڑیسہ) کی جنگ اُن کی زندگی کا اہم موڑ ثابت ہوئی۔ اس جنگ میں بڑی قتل و غارت ہوئی۔ ایک لاکھ افراد مارے گئے اور کوئی ڈیڑھ لاکھ افراد قیدی بنا لیے گئے۔ اشوک نے جنگ تو جیت لی، لیکن اس تباہی کا ان کے دل پر گہرا اثر ہوا اور آئندہ کے لیے انہوں نے جنگ و جدل سے توبہ کر لی۔ اب انہوں نے شکار کھیلنا بند کر دیا اور گوشت کھانا بھی چھوڑ دیا۔ وہ بدھ مت کی طرف مائل ہوئے اور عدمِ تشدد کے قائل ہو گئے اب اُن کی زندگی کا رُخ بدل گیا تھا۔

بدھ مت قبول کرنے کے بعد اُنہوں نے سلطنت میں جانوروں کے ذبیحے اور شکار کھیلنے پر پابندی عائد کر دی۔ مچھیروں کو

مچھلیوں کے شکار سے منع کر دیا۔ انہوں نے باقی زندگی بدھ مت کی اشاعت کے لیے وقف کر دی۔ بھکشوؤں کو زیادہ سے زیادہ مراعات دیں۔ یہاں تک کہ اپنے بیٹے مہندا اور بیٹی سنگھ مترا کو بدھ مت کی تبلیغ کے لیے بھکشو بنا کر ایک تبلیغی مشن کے ساتھ سری لنکا بھیج دیا۔ رواداری اور مذہبی و اخلاقی اقدار کی طرف توجہ زیادہ ہونے سے امورِ سلطنت متاثر ہوئے۔ بھکشوؤں کا شاہی دربار میں اثر و رسوخ بھی بڑھ گیا۔

اشوک نے بدھ مت کو بین الاقوامی مذہب بنانے کی کوشش کی۔ ان کے مقدس مقامات پر عمارتیں بنوائیں۔ کتبے نصب کرائے، جن پر بدھ مت کے اصول کندہ تھے۔ پاٹالی پترا (Patalu Putra) (پٹنہ) میں بدھ مت کا تیسرا اجتماع منعقد کرایا۔ جس میں ایک ہزار بھکشو شریک ہوئے۔ یہاں بدھ مت کی خالص تعلیمات کو یکجا کیا گیا اور بدھ مت کی تین مقدس کتابیں مرتب ہوئیں۔ اسی اجتماع میں بدھ مت کی تبلیغ کے لیے سری لنکا، ملایا، (ملائشیا) سماٹرا، مصر، شام اور شمالی افریقہ میں مشن بھیجے گئے۔ وسطِ ایشیا اور چین میں بھی بدھ مت کو عام کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ یوں اشوک نے بدھ مت کے لیے بڑی خدمات سرانجام دیں۔ اب بدھ مت ایک بین الاقوامی مذہب بن گیا۔

اشوک نے بدھ مت کی اشاعت کے علاوہ رفاہِ عامہ کے بہت سے کام بھی سرانجام دیے اور سلطنت میں بہت سی اصلاحات کیں۔ انہوں نے سڑکوں پر سایہ دار درخت لگوائے، کنویں کھدوائے اور قیام کے لیے سرائیں بنوائیں۔ عدل و انصاف کا انتظام بھی کیا۔ اس نے عوامی مسائل حل کرنے کے لیے خصوصی نمائندے مقرر کیے اور دیہات میں انھیں عدالتی اختیارات دیے۔ انہوں نے غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کی دیکھ بھال کے انتظامات بھی کیے۔ انھیں نئی بستیاں بسانے کا بھی شوق تھا۔ اُنھوں نے چوراسی ہزار عمارتیں تعمیر کرائیں۔ اُنھوں نے کشمیر میں سری نگر کی بنیاد رکھی اور نیپال میں بھی یادگار عمارتیں بنوائیں۔

اشوک کا ایک بڑا کارنامہ پتھروں پر احکام کندہ کرانا ہے۔ ان کے جاری کردہ شاہی فرمان عظیم سلطنت کے طول و عرض میں پھیلائے گئے۔ اُنھوں نے چودہ احکام پتھر کی بڑی بڑی لاٹھوں پر کندہ کرائے۔ کچھ احکام اور عمومی نوعیت کی ہدایات عام چٹانوں پر لکھوائیں اور کچھ غاروں کی دیواروں پر بھی لکھوائی گئیں۔ ان میں اخلاقی تعلیمات بھی شامل کی گئی ہیں مثلاً دوسروں کو برداشت کرنا، اور دوسرے مذاہب کا احترام کرنا، مذہبی علما، والدین اور اساتذہ کا احترام کرنے کو کہا گیا۔ مالک کو مزدور کے ساتھ بہتر سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ والدین اور اولاد، اساتذہ اور شاگردوں کے بہتر تعلقات پر زور دیا گیا ہے۔ بھکشوؤں کی تعظیم، سچائی اور میانہ روی پر زور دیا گیا ہے اور افسروں سے کہا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو نیکی کی تلقین کریں۔ کئی ایسے احکام بھی ہیں: نیک بنو، رحم کرو، اپنے دل کو پاک کرو، خیرات دو وغیرہ وغیرہ۔

بدھ مت قبول کرنے کے بعد اشوک نے سزائے موت منسوخ کر دی تھی، لیکن پھر بھی انصاف کے تقاضے پورے کیے جاتے تھے۔ انہوں نے اعلیٰ افسران پر مشتمل ایک مجلس بنائی۔ وہ دھرم (مذہب) پر عمل کراتی اور صوبائی گورنر سے بالا بالا براہِ راست عمل کراتی۔ اُنھوں نے عدمِ تشدد (اہنسا) اور سبزی خوری کو عام کیا۔ اگرچہ اُنھوں نے جنگ کے ذریعے فتوحات کا سلسلہ ختم کر دیا

تھا لیکن اُن کا خیال تھا کہ دھرم کے ذریعے سے انسانوں کے دلوں کو فتح کیا جا سکتا ہے۔

وقت کے ساتھ ساتھ بدھ مت سے اشوک کی دلچسپیاں بڑھتی گئیں۔ انہوں نے شہزادوں اور وزرا کی پرتعیش زندگی پر پابندی لگا دی۔ ان کی زندگی کے آخری سالوں میں لوہے کی لاٹھوں پر ان کے جو شاہی احکام ملتے ہیں وہ صرف بدھ مت ہی کے بارے میں ہیں۔ اشوک 230 قبل مسیح میں فوت ہوئے۔ ان کے جانشین اتنی بڑی سلطنت کو صرف پچاس سال تک سنبھال سکے اور یہ زوال کا شکار ہو کر ختم ہوگئی۔ اپنے کارناموں کی وجہ سے اشوک بدھ روایات اور تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

ج۔ مقدس تھامس اکوائینس

مقدس تھامس اکوائنس

رومن کیتھولک چرچ کے عالم دین اور فلسفی مقدس تھامس اکوائنس کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ مفکر اور مصنف کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ ان کی شہرت تیرھویں صدی عیسوی سے آج تک قائم ہے۔ وہ اپنی پاکیزہ زندگی، پختہ کردار اور پُرکشش شخصیت کی وجہ سے بھی اپنے دور میں نہایت مقبول رہے۔ انھوں نے اپنی طبعی صلاحیتوں اور محنت کی وجہ سے اپنے آپ کو تسلیم کروایا۔ مسیحی دنیا خصوصاً رومن کیتھولک چرچ میں انھیں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ انھیں فرشتہ سیرت عالم (Angelic Doctor) بھی کہا جاتا ہے۔

تھامس اکوائنس 1225ء میں ریاست سسلی کے مقام روکا سیکا میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک مذہبی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے ایک چچا خانقاہ کے بڑے راہب تھے۔ تھامس نے ابتدائی تعلیم مونٹے کسنو (Monte Kasino) میں حاصل کی اور مزید تعلیم کے لیے نیپلز یونی ورسٹی میں داخل ہوئے۔ یہیں وہ دومینکن (Dominican) (مسیحیت کا ایک مذہبی مکتبِ فکر) سے متاثر ہوئے۔ ان کے والد فوت ہو چکے تھے۔ ان کی والدہ کو دومینکن جماعت سے اُن کی یہ وابستگی پسند نہ آئی اور ان کے بھائیوں نے بھی اس امر کی مخالفت کی۔ چنانچہ جب وہ روم روانہ ہونے لگے تو ان کے بھائیوں نے انھیں گھر میں بند کر دیا اور وہ اگلے ایک سال تک کہیں نہ جا سکے۔ پوپ چہارم کی مداخلت سے انھیں رہائی ملی۔ اب وہ دومینکن کی مذہبی تعلیم کے لیے کولون (جرمنی) چلے گئے اور رابرٹس میگنس سے فلسفے اور الٰہیات کی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں استاد شاگرد دونوں پیرس چلے گئے۔ تھامس 1248ء میں علم دین سے فارغ التحصیل ہوئے۔

تھامس کافی عرصہ میگنس کے ساتھ رہ کر ان سے علم حاصل کرتے رہے۔ 1256ء میں انھیں پی ایچ ڈی کی سند عطا کی گئی۔ بعد ازاں وہ پیرس یونی ورسٹی میں پڑھانے لگے۔ 1259ء میں پوپ الیگزینڈر نے انھیں روم بلا کر اپنا مشیر بنا لیا۔ 1268ء

میں وہ واپس پیرس لوٹ آئے اور بعد میں 1272ء میں اپنی مادر علمی نیپلز یونی ورسٹی میں پڑھانے لگے۔ 1274ء میں لیون میں چرچ کونسل کی میٹنگ ہونا قرار پائی تھی، دسویں پوپ گریگری نے انھیں اس اجلاس میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ تھامس جنوری 1274 کو لیون گئے اور وہیں 7 مارچ 1274ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

اپنے میدان میں تھامس اکوائینس ایک فلسفی اور عالمِ دین تھے۔ ان کے دور میں فلسفے میں آگسٹن اور ارسطو کے افکار کا چرچا تھا' بلکہ انھیں دوسروں پر فوقیت حاصل تھی۔ آگسٹن کا کہنا تھا کہ سچائی کی تلاش اور ادراک کے لیے حسی تجربات کافی ہیں۔ تیرھویں صدی میں جب ارسطو کے نظریات کا لاطینی زبان میں ترجمہ شائع ہوا، اور ابن رشد نے ارسطو کے افکار کی تشریحات پیش کیں، تو عقلی علوم کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ اس کی مخالفت رومن کیتھولک چرچ نے کی مگر اسے کوئی بڑی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ آخر تھامس نے بڑے مدلل انداز میں اس کی تردید کی اور ارسطو، ابن رشد اور دوسرے ہم عصر مفکرین کے استدلال کا مؤثر انداز سے جواب دیا۔

تھامس کا نقطۂ نظر یہ ہے' کہ حقیقت کی تہ تک پہنچنے کے لیے محض حسی تجربات کافی نہیں' بلکہ اس کے لیے وحی کا ہونا ضروری ہے۔ چیزوں کی حقیقت جاننے کے لیے تو عقل کافی ہے' لیکن دینی عقائد کو سمجھنے کے لیے عقل کافی نہیں اور نہ ہی حواس صحیح رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے وجود کے ادراک کے لیے عقلی دلائل بھی ہیں مگر وحی کے بغیر اس کے وجود کا ادراک ممکن ہی نہیں۔ مزید برآں مسیحیت کے عقیدۂ تثلیث کو بھی وحی کی راہنمائی کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔

تھامس اکوائینس نے اخلاقی نظام پر بھی بحث کی ہے۔ انھوں نے فلسفیانہ افکار کی وضاحت کے لیے مختلف تدریسی طریقے استعمال کیے ہیں۔ اُن کے علمی افکار کو ان کی زندگی ہی میں تسلیم کر لیا گیا تھا۔ انھیں پہلے مونٹ کسنو کی عبادت گاہ کا راہب' اور بعد ازاں نیپلز کا بڑا پادری بنائے جانے کی پیش کش بھی کی گئی' لیکن انھوں نے یہ دونوں منصب قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد 1323ء میں بارہویں پوپ جان نے ان کے مقدس ٹھہرائے جانے کا اعلان کیا۔ ان کے فلسفیانہ افکار آج بھی کلیسائی اداروں میں پڑھائے جاتے ہیں۔

تھامس کی زندگی میں ہی مسیحی معاشرے پر ان کے اثرات مرتب ہونے شروع ہو گئے۔ تیرھویں صدی عیسوی میں اُن کے کام کو پذیرائی ملی، خصوصاً رومن کیتھولک چرچ پر ان کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ آنے والے دور میں بھی انھیں بھلایا نہ جا سکے گا۔ سولھویں سے انیسویں صدی تک ان کے افکار کی روشنی اگرچہ مدھم ہوئی' اور ان کے افکار پر تنقید بھی کی جاتی رہی' لیکن ان کے اثرات اب تک باقی ہیں' اور مغربی فلسفیوں نے تو ان کی پیروی بھی کی ہے۔

ان کی تصانیف میں سے Summa Contra اور Gentiles زیادہ ضخیم اور مشہور ہیں۔ یہ تصانیف 1256ء اور 1264ء میں شائع ہوئیں۔ ان کی اشاعت جاری ہے۔ نیز یہ تصانیف دیگر زبانوں میں ترجمہ ہو کر مقبولیت کا درجہ حاصل کر چکی ہیں۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

2۔ اشوک نے بدھ مت کے لیے کیا کارنامے سرانجام دیے؟

3۔ اشوک کی مذہبی اور رفاہی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

4۔ تھامس اکوائینس کی خدمات تفصیل سے لکھیں۔

(ب) مختصر جواب دیجیے۔

1۔ حضرت ذکریاؑ حضرت مریمؑ کے حجرے میں کیا دیکھ کر حیران ہوتے تھے؟

2۔ جبرائیل فرشتے نے حضرت مریمؑ کو کیا خوش خبری دی؟

3۔ تخت کی جنگ میں اشوک کے کتنے بھائی مارے گئے؟

4۔ اشوک نے اپنے احکامات کیسے عام کیے؟

5۔ اشوک سے کس مذہب کو تقویت ملی؟

6۔ تھامس کی مشہور کتب کتنی ہیں؟

7۔ تھامس کے اثرات کس پر زیادہ مرتب ہوئے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ حضرت مریم علیہ السلام کا تعلق

(ا) آل ابراہیم علیہ السلام سے تھا

(ب) آل عمران سے تھا

(ج) آل موسیٰ علیہ السلام سے تھا

(د) ان میں سے کسی سے بھی نہ تھا

2۔ اشوک کی زندگی کا رخ بدل گیا

(ا) بدھ مت قبول کرنے سے

(ب) کلنگا کی جنگ میں ایک لاکھ افراد کے مارے جانے سے

(ج) بھائیوں سے تخت کی جنگ لڑنے سے

(د) کھیل تماشے اور عیش و عشرت چھوڑ دینے سے

3۔ تھامس اکوائنس کا نظریہ یہ ہے کہ حقیقت کے ادراک کے لیے

(ا) حسی تجربات کافی ہیں (ب) عقل کافی ہے

(ج) عقل اور حواسِ خمسہ کافی ہیں (د) وحی کے بغیر کچھ ممکن نہیں

4۔ اشوک کے یادگار کاموں میں شامل ہے

(ا) بدھ مت کی اشاعت (ب) رفاہِ عامہ کے کام

(ج) عدل وانصاف کا قیام (د) الف، ب، ج

(د) خالی جگہ پُر کریں۔

1۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی کے لیے بار بار.................... بھیجے۔

2۔ مردم شماری کے سلسلے میں حضرت مریمؑ اور یوسف.................... چلے گئے۔

3۔ اشوک کو جنگ.................... میں قتل وغارت نے بہت متاثر کیا۔

4۔ تھامس اکوائینس.................... میں پیدا ہوئے۔

5۔ پی ایچ ڈی کے بعد تھامس.................... یونی ورسٹی میں پڑھانے لگے۔

(ہ) سرگرمیاں

1۔ طلبہ مذہبی کتب سے حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں اہم باتیں نوٹ کریں۔

2۔ اشوک کی رفاہی سرگرمیوں کی فہرست بنائیں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ اشوک کے بارے میں انٹرنیٹ کی مدد سے پتھر کی لاٹھوں اور دیگر تصاویر کا البم تیار کرائیں۔

2۔ مختلف اسباق کے چارٹوں اور البم کا کمرۂ جماعت میں نمائش کا اہتمام کریں اور سربراہِ ادارہ کو بھی دیکھنے کی دعوت دیں۔

❁❁❁

فرہنگ

1 انسانیت کی تعمیر

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
آباؤ اجداد	باپ دادا، بزرگ	مرعوب	رعب میں آیا ہوا
دھرے کا دھرا رہ جانا	ادھورا رہ جانا، پورا نہ ہونا	صبر کا پیمانہ لبریز ہونا	مزید صبر نہ کرسکنا
خمیر میں شامل ہونا	فطرت میں ہونا	حواس خمسہ	محسوس کرنے کی پانچ قوتیں
سرگوشی	آہستہ آہستہ باتیں کرنا		(سننے، دیکھنے، چکھنے، چھونے اور سونگھنے کی حسیں)
معاشرت پسند	مل جل کر رہنا پسند کرنا	فطری	قدرتی
آخرت	قیامت	مصنوعی	بناوٹی، جو اصل نہ ہو
تنہا	اکیلا	رواداری	دوسرے کے احساسات کا خیال رکھنا
منسوخ ہونا	ختم ہو جانا، چھوڑ دینا	افق	جہاں زمین آسمان ملتے نظر آتے ہیں
برتر ہستی	غالب، سب سے بڑی ذات مراد خدا تعالیٰ	نقال	نقل لگانے والا
		کجی	ٹیڑھاپن، کمزوری، خامی

2- اخلاقی کہانیاں (1)

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
پرنام	سلام	رتھ	دیوتاؤں کی سواری
اندر	دیوتاؤں کا راجا	من کی شانتی	دلی سکون
پرتھوی	زمین، دنیا	مطیع	تابع، اطاعت کرنے والا
ترکیب	طریقہ	تنومند	طاقت ور
مگن ہونا	کھو جانا، مست ہو جانا	حکم سر آنکھوں پر	دل و جان سے قبول
از سرِ نو	نئے سرے سے	دل کے ارمان	حسرتیں
گرہ باندھ لی	مراد ہے دل میں بٹھائی	روپ	شکل
راہگیر	مسافر	بینائی	نظر
اوقات بھول جانا	اپنی حیثیت بھول جانا	کورا جواب	ٹکا سا جواب
بھرکس نکال دینا	خوب مارنا	تندہی	محنت، توجہ
راج پاٹ	تخت و تاج	توفیق	ہمت، حوصلہ
من	دل	بینائی	نظر

متواتر	مسلسل	دھن میں مگن	اپنے خیال میں کھویا ہوا
یکے بعد دیگرے	بار بار		

3- اخلاقی کہانیاں (۲)

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
راہ گیر	مسافر	دل پسیج جانا	رحم آ جانا
بینائی	آنکھ کی روشنی، نظر	محسن	احسان کرنے والا
رُوپ	شکل	دل شکستہ ہونا	دل ٹوٹ جانا
مگن ہو گئے	کھو گئے	ڈانٹ پلانا	غصے ہونا
مزارعین	دوسروں کی زمین کاشت کرنے والے	تمتما اٹھنا	چمک اٹھنا
رائیگاں	ضائع، برباد	اوسط	درمیانہ
شکر خورا	شکر کھانے والا	جان سے ہاتھ دھونا	مرجانا
شگاف	سوراخ	آمد و رفت	آنا جانا
ہونہار بروا کے چکنے چکنے	بچپن سے خوبیاں ظاہر ہونا	پذیرائی	آؤ بھگت
پات		فیض یاب ہونا	فائدہ اٹھانا
وسائل	مال اسباب		
سرگ باش ہونا	مرجانا		

4- نظمیں

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
درگزر کرنا	معاف کرنا	سرزد ہونا	ہو جانا
پشیمان ہونا	شرمندہ ہونا	ملامت کرنا	بُرا بھلا کہنا
احتیاج	ضرورت	خِسّت	کنجوسی
ضعیف	بڑھیا	خلائق	مخلوق
سُن ہونا	سردی سے بے جان ہونا	ہجوم	بھیڑ
زن	عورت	مطلق	بالکل
دل شاد	خوش باش	راہبر	راہ نما
تبسم کناں	مسکراتا ہوتا	شجر	درخت
دل و جان سے	دل کے ساتھ		

5- علم وحکمت کے موتی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
منور	روشن	فہم	سمجھ
مرجان	مونگا، مراد قیمتی پتھر	آسودگی	خوش حالی، خوشی، اطمینان
مقدس	پاک	زر	دولت، سونا
معمور	بھری ہوئی / بھرا ہوا	ریاضت	مشقت/غوروفکر
مہد	پنگھوڑا	لحد	قبر
مراقبہ	گردن جھکا کر یکسوئی سے عبادت کرنا	غیر مطلوب	ان چاہا
مہد سے لحد تک	پیدائش سے موت تک / پنگھوڑے سے قبر تک	بیش بہا	بے حد قیمتی
الہامی	خدا کی طرف سے وحی کی ہوئی	علائق	غیر ضروری / غیر متعلق
ناصح	نصیحت کرنے والا	حکمت	دانائی
صاحب حکمت	عقل مند		

6- سکھ مذہب کا تعارف

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
زائرین	زیارت کرنے والے	فتح بلائی	سلام کیا
لاحقہ	نام کے بعد کا حصہ	عرفان الٰہی	اللہ کی معرفت
تلقین	تاکید/نصیحت	صدر دروازہ	بڑا دروازہ، مین گیٹ
خدوخال	چہرہ مہرہ، شکل وصورت	ایکواونکار	صرف ایک
آواگون	یہ عقیدہ کہ مرنے کے بعد روح دوسرے جاندار میں آجاتی ہے	تردید	رد کرنا
		فیض پانا	فائدہ حاصل کرنا
سیوا کار	خدمت گزار	پرشاد	تبرک جو برکت کے لیے تقسیم کیا جائے
جنیو	سوتی ڈورا جو اونچی ذات کے ہندوؤں کو پہنایا جاتا ہے		

7- سکھ مذہب کیسے پھیلا

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
زیب تن کرنا	پہننا	منجی	چارپائی
کیرتن	موسیقی کے ساتھ اجتماعی حمد کرنا	پروانہ	حکم نامہ
تشخص	الگ حیثیت	موروثی	ورثے میں آنے والی

یلغار	چڑھائی	لنگر	گرودوارہ میں کھانے پکا کر تقسیم کرنا
چلہ گاہ	جہاں چالیس دن تک بیٹھ کر بزرگان اللہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں	جانشین	ولی عہد
بود و باش	طرز زندگی	خالصہ	سکھ مذہب کا مخلص کارکن
سنگت	ایک ادارہ جو بعد میں گرودوارہ کی بنیاد بنا	ستی کی رسم	ہندوؤں میں ایک رسم جس میں خاوند کے مرنے پر بیوی بھی ساتھ ہی جل مرتی تھی
امرت چکھنا	ذات پات ختم کرنے کے لیے کمزور ذاتوں کے پانچ آدمیوں کو ایک برتن میں پانی پلایا اسے امرت چکھنا کہتے ہیں۔		

8- بابا گرونانک اوران کی تعلیمات

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
پروہت	ہندوؤں کا مذہبی رہنما	سادھو	جوگی، فقیر
امتیازی	نمایاں	زائچہ تیار کرنا	جنم پتری، رمل کی شکلیں بنانا، قسمت کے بارے میں پیشین گوئی کے لیے بناتے ہیں
طبعی	ذاتی، جبلی، قدرتی		
بھگتی تحریک	ایک مذہبی تحریک جو ظاہری رسوم کی بجائے خدا سے قلبی تعلق پر زور دیتی تھی	فاقہ کشی	بھوکے رہنا
		قادر مطلق	خود مختار مراد اللہ تعالیٰ
غوطہ خور	پانی میں ڈبکی لگانے والے پیشہ ور	قائم بالذات	جو اپنی ذات سے قائم ہو
ازلی	جس کی کوئی ابتدا نہ ہو	رباب	ایک قسم کی سارنگی
اہل تصوف	صوفیہ	انانیت	خود پسندی
ابدی	ہمیشہ سے، غیر فانی	چیلے	مرید، پیروکار
اسفار	سفر کی جمع		

9- سکھ گرو

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
تلخیص	مختصر کر کے	مال گزاری	زمین پر ٹیکس
کر و فر	شان و شوکت	لاحقہ	بعد میں آنے والا، آخری حصہ
مذہبی ہم آہنگی	مذہبی رواداری	رسائی	پہنچ
توسیع	وسعت	تنقید	جانچ پھٹک، اعتراض

تاوان	جرمانہ	صوفی منش	درویش
باؤلی	کنواں جس میں سیڑھیاں اترتی ہیں	سر قلم کرنا	قتل کرنا
شاہی خلعت	شاہی لباس	چیدہ چیدہ	انتخاب کیا ہوا، چنا ہوا
پجاری	پوجا کرنے والا	زیرنگیں	ماتحت
نرم خو	نرم طبیعت	سوانح	حالات زندگی
امرت	آبِ حیات، اکسیر	اصطبل	گھوڑے باندھنے کی جگہ
اشلوک	حمد، شعر	درگاہ	مقدس مقام
کڑا	پکا، سخت	پرچارک	تبلیغ کرنے والا
سلوگن	نعرہ	دربار صاحب	سکھ گروؤں کی رہائش گاہ

10- پاکستان میں مذہبی تہوار

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
تکمیل	مکمل ہونا	یک جہتی	ہم آہنگی، ایک ہونا
پالنا	جھولا	سدا سے	ہمیشہ سے
میوزک	موسیقی	کاتک	ہندی سال کا ساتواں مہینہ (15 اکتوبر سے
افطار	روزہ کھولنا		15 نومبر)
دوبالا ہونا	زیادہ ہونا	معانقہ	گلے ملنا
چرنی	وہ ریڑھی جس میں جانوروں کو چارہ ڈالتے ہیں	زیر کفالت	جن کو پال رہا ہو
پوپ	عیسائی مذہب میں بڑا مذہبی رہنما	پاٹھ	بلند آواز سے پڑھنا
سماجی تقریب	معاشرتی تقریب	پھولے نہ سمانا	بہت خوش ہونا
اکھنڈ پاٹ	مکمل ختم	گروگرنتھ صاحب کا پاٹھ	مذہبی کتاب گروگرنتھ صاحب کی تلاوت
امپائر	بادشاہت، ملک	کدورتیں	دل کا میل، نفرتیں

11- بچہ ----- خاندان کی آنکھوں کا تارا

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
نہال ہونا	خوش ہونا	آنکھ کا تارا	بہت پیارا، محبتوں کا مرکز
جوبن	عروج	اکلوتا	جس کے اور بھائی بہن نہ ہوں
کھویا کھویا	اداس اداس	پر لگا کر اڑ جانا	تیزی سے گزر جانا
دھوم دھام سے	شان و شوکت سے		

12- گھر کی سانجھ

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
سانجھ	دوستی/اشتراک	ناز اٹھانا	نخرے برداشت کرنا
صدقے واری جانا	قربان ہونا	ہاتھ بٹانا	مدد کرنا
سرائے	رہائش گاہیں جہاں مسافر ٹھہرتے ہیں		

13- برابری

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ایثار	قربانی	برتری	بالادستی، دوسروں سے آگے
تقاریب	مجالس		

14- احترام آدمیت

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ترجیح	فوقیت	روا رکھنا	جائز سمجھنا
شفقت سے	محبت اور رحم دلی سے	عزت نفس	ذاتی وقار
بے جا	غلط، بلاوجہ	ضمیر	انسان کے اندر کی ایک انصاف پسند قوت
تاخیر	دیر		

15- قاعدے قانون کی بات

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اساتذہ	استاد کی جمع	ملکہ	صلاحیت
چین	سکھ	راکب	سوار
تکون	تین کونوں والی	لاحق ہونا	لگ جانا
انحصار	دارومدار	ہمسایہ ماں جایا	ہمسایہ سگے بہن بھائیوں کی طرح ہوتا ہے

قائد	رہنما	پنہاں	چھپا ہوا
رسم وراہ	مراد ہے تعلق	مرکب	سواری
کاش	افسوس	ضوابط	ضابطے کی جمع
واجبات	وہ رقوم جو ادا کرنا باقی ہوں	بیگانہ	غیر
معاشرتی	معاشرے سے متعلق	زیبرا کراسنگ	سڑک پر پیدل عبور کرنے کے لیے بنائے گئے نشان۔
نابالغ	کم عمر	رواں رواں	ایک ایک بال
عقبی	پیچھے والا	دھکم پیل	دھکے لگنا
انتشار	بکھر جانا	ہدیہ	تحفہ
تازیانہ	چابک	روغن	معمول
محو پرواز	اڑنا	شعور کی آنکھ کھولنا	سمجھدار ہونا

16- ٹریفک قوانین

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
بحران	ہیجانی کیفیت	چوکنا	ہوشیار
لائسنس	اجازت نامہ	عقبی	پچھلا
انڈر پاس	سڑک کے نیچے سے بنا راستہ	ہینڈ بل	یک ورقہ اشتہار
اوور ہیڈ برج	سڑک کے اوپر بنا پل	آگاہی	واقفیت

17- کھانے پینے کے آداب

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
مین میخ	خواہ مخواہ کے اعتراض	مرغن	مصالحے دار، چٹ پٹی
جان سے گزر جانا	مرجانا	جڑ پکڑنا	پھلنا پھولنا
کوڑی کوڑی کا محتاج	بہت ہی غریب	حفظانِ صحت	صحت کا بچاؤ
ناک بھوں چڑھانا	ناپسندیدگی کا اظہار کرنا	سماج پسند	گھل مل کر رہنے والا

18- مشاہیر

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ادراک	پہنچ، رسائی	برگزیدہ	پسندیدہ
تقدس	پاکیزگی	مستحکم	مضبوط
قائل ہونا	مان جانا	سرائیں	مسافروں کی رہائش گاہیں
نسبت	منگنی	بارگاہِ ایزدی	اللہ کے دربار میں
عفت	پاکدامنی	رفاہِ عامہ	عام لوگوں کی بھلائی
بھکشو	بدھ مذہب کا مبلغ	مادرِ علمی	جہاں تعلیم حاصل کی ہو
پنگھوڑا	جھولا	تقلید	پیروی
ترجیح	فوقیت	مصلوب کیا گیا	صلیب پر چڑھایا گیا
مائل ہونا	توجہ کرنا	عدم تشدد	زیادتی نہ کرنا، جبر نہ کرنا
حسی	جن کو محسوس کیا جا سکے		

ڈاکٹر محمد شفیع مرزا

پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیع مرزا نے ادارہ برائے تعلیم و تحقیق جامعہ پنجاب، لاہور میں 30 سال تک تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ وہ دس سال تک صدر شعبہ بھی رہے۔ انھوں نے دورانِ ملازمت انڈیانہ یونیورسٹی (امریکہ) سے تدریسی تربیت بھی حاصل کی اور ریٹائرمنٹ کے بعد عالمی بنک کے تعاون سے چلنے والے آزاد کشمیر کے لیے ایک منصوبے میں بطور مشیر وابستہ رہے۔ ان کے زیرِ نگرانی کئی طلبہ پی ایچ ڈی اور ایم فل کے مقالات مکمل کر چکے ہیں۔ وہ قومی نصاب سازی کی کمیٹی برائے فنی مضامین، حکومت پاکستان، اسلام آباد کے 1984ء سے رکن ہیں۔ ان کے بہت سے تحقیقی مقالات شائع ہو چکے ہیں اور دیگر اشاعتی اداروں نے ان کی ایک درجن سے زائد کتب شائع کی ہیں۔ وہ آج کل تخیلاتی جامعہ (ورچوئل یونیورسٹی) سے وابستہ ہیں۔

ڈاکٹر عبداللہ شاہ ہاشمی

ڈاکٹر عبداللہ شاہ ہاشمی نے جامعہ پنجاب کے ادارہ برائے تعلیم و تحقیق سے تعلیم میں ماسٹر کی سند اوّل بدرجہ اوّل حاصل کی۔ اس کے بعد ایم فل اور پی ایچ ڈی کی اسناد حاصل کیں۔ محکمہ تعلیم حکومت پنجاب میں طویل مدت تک تدریسی اور انتظامی امور سرانجام دینے کے بعد آج کل جامعہ پنجاب کے ادارہ برائے تعلیم و تحقیق اور پنجاب سائنس کالج لاہور میں تدریسی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ اقبال اکادمی پاکستان کے دائمی رکن ہیں۔ اکادمی نے ان کی دو کتابیں شائع کی ہیں۔ تحقیق اور نصابیات ان کے خاص میدان ہیں۔ ان کے بہت سے مقالات و مضامین ملکی و غیر ملکی جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، آفاق اور دیگر کئی اداروں نے ان کی ایک درجن سے زائد کتابیں شائع کی ہیں۔

جملہ حقوق بحق پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور محفوظ ہیں۔

تیار کردہ: پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

منظور کردہ: قومی ریویو کمیٹی، وفاقی وزارت تعلیم (شعبہ نصاب سازی) حکومتِ پاکستان، اسلام آباد
بموجب سرکلر نمبر F.6-8/2009-IE مورخہ 23 فروری 2011ء

اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اسے ٹیسٹ پیپرز، گائیڈ بکس، خلاصہ جات، نوٹس یا امدادی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

مصنفین:

- ڈاکٹر عبداللہ شاہ ہاشمی
- ڈاکٹر محمد شفیع مرزا

ایڈیٹر: مسز ثمرہ منیر

ناشر: ماجد بکڈپو، لاہور

پرنٹر: اشفاق پریس، لاہور

تاریخ اشاعت	ایڈیشن	طباعت	تعداد اشاعت	قیمت
مارچ 2011ء	اول	اول	5,000	34:00

اخلاقیات

(ETHICS)

چھٹی جماعت کے لیے

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور